پندرہ روزہ

تعمیرِ حیات

لکھنؤ

دیدارِ کعبہ کا شوق ربِ کعبہ کے دیدار کا وسیلہ

یادرکھو! سفرِ حج کی اصل سواری شوق کی سواری ہے، جتنی شوق کی آگ تیز ہوگی اتنی ہی مقصد تک رسائی یقینی ہوگی، اللہ تعالیٰ سے خوب محبت کرو، جس دل میں اللہ تعالیٰ سے محبت ہوگی اس دل میں دیدارِ کعبہ کا شوق بھڑک اٹھے گا کہ وہ محبوب کے دیدار کا وسیلہ ہے، محبوب سے جس چیز کو بھی نسبت ہوجائے محبت کرنے والے کو وہ چیز جان ودل سے محبوب ہوجاتی ہے، اس کا شہر، اس کی گلی، اس کا گھر، اس کا دَر۔ کعبہ کو اللہ تعالیٰ نے ''میرا گھر'' کہا ہے، اگرچہ وہ اس سے پاک ہے کہ کسی گھر میں رہے، جب محبوبِ لامکاں نے ایک مکان کو اپنا گھر بنالیا ہے تو کوئے یار تک پہنچنے کے لیے شوق سے بے تاب دل کی رفاقت سب سے بڑھ کر حصولِ مقصد کی ضامن وکفیل ہے۔

تم اگر خانۂ کعبہ کے مشتاق اس لیے ہو کہ وہ اللہ کا گھر ہے تو صرف اسی نسبت سے اس کا سفر کرو گویا اپنی نیت اور ارادہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کرلو، خوب یادرکھو کہ بجز اخلاص کے کوئی ارادہ اور کوئی عمل اس کے ہاں قبول نہیں، اس لیے خاص طور پر جس بات میں ریا ہو اور شہرت کی تلاش ہو، اس کو ترک کردو، سفرِ حج بھی ہر سفر کی طرح ترک علائق سے شروع ہوتا ہے، گھر چھوڑتے ہو، گھر والے کو چھوڑتے ہو، مال وتجارت ترک کرتے ہو، وطن سے جدا ہوتے ہو، مگر اس سفر میں کامیابی کے لیے سب سے پہلے ان حقوق سے تعلق منقطع کرو، جو دوسروں کے اپنے ہاتھوں میں دبا رکھے ہیں اور ایسے سارے حقوق حقداروں کو واپس کردو۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ

فی شمارہ 20₹

۱۰/جولائی ۲۰۱۹ء

سالانہ زرتعاون
400₹

File F:\Graphic1.tif not found.

میں تیری محبت کی سدا جوت جگاؤں

مولانا سید محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ

یارب تو ہی داتا ہے جو مانگوں وہی پاؤں
آیا ہوں تیرے دَر پہ تو محروم نہ جاؤں

ہو جس میں تو ہی تو وہ مجھے قلب ونظر دے
دے سر وہ مجھے جس کو ترے دَر پہ جھکاؤں

جو روئے ترے ڈر سے وہ دیدۂ تر دے
خود روؤں ترے خوف سے اَوروں کو رلاؤں

بھر دل کو مرے اپنی محبت سے خدایا
میں لَو جو لگاؤں تو سدا تجھ سے لگاؤں

ہر لحظہ کروں ذکر ترا اپنی زباں سے
لے لے کے ترے نام کو میں لطف اٹھاؤں

حاصل ہو سکوں تا دمِ آخر دل و جاں کو
یارب تری رحمت سے کوئی غم نہ اٹھاؤں

لبریز ہو اسلام کی عظَمت سے مرا دل
تا مرگ میں اسلام کو سینے سے لگاؤں

دے دولت انمول مجھے علم و عمل کی
اس دولت انمول کو عالم پہ لٹادوں

کر مجھ کو عطا ملت بیضا کی امامت
ہر گمرہ و بے راہ کو میں راہ دکھاؤں

دے نورِ شریعت، دے مجھے عشقِ جگر سوز
میں شیشۂ و آہن کو بہم کر کے دکھاؤں

مالک دے محبت تو مجھے شاہِ امم ؐ کی
جو خاک کفِ پا ملے آنکھوں سے لگاؤں

اس دور کے ظلمت کدۂ بولہبی میں
ہر ایک قدم مصطفویؐ شمع جلاؤں

میں بن کے ابوبکرؓ رہوں حق کا نگہباں
میں بن کے علیؓ خرمنِ باطل کو جلاؤں

دے مجھ کو دلِ رومیؒ و سمنانیؒ و شبلیؒ
ہر لمحہ تری یاد سے میں دل کو بساؤں

کر مجھ کو عطا شیخ مجددؒ کی عزیمت
اکبر کے ہر اک فتنۂ حاضر کو مٹاؤں

دے سیدِ احمدؒ کی مجھے دینی حمیت
میں حق کی بلندی کے لیے جان کھپاؤں

یارب تو مجھے گرم دل و گرم نفس کر
میں تیری محبت کی سدا جوت جگاؤں

جب تک کہ رہوں زندہ ترا بن کے رہوں میں
تیری ہی رضا لے کے تیرے پاس میں آؤں

☆☆☆☆☆

www.tameerehayat.com

اداریہ

حج کی سعادت کے مشتاق حُجاج

● .... شمس الحق ندوی

کتنے خوش نصیب ہیں وہ حضرات جن کو یہ شرف حاصل ہوگا کہ حج وزیارت کی سعادت کرنے کی تیاری وکارروائی میں مصروف ہیں، ان کو اس کعبہ کے طواف کا شرف حاصل ہوگا جس کی طرف رُخ کرکے نمازیں پڑھتے رہے، ان کو سعادت نصیب ہوگی صفاو مروہ کے درمیان سعی کی جو نقل ہے اُس ماں کی جس نے آقا کے حکم کی تعمیل میں اس ویرانہ میں جہاں آدم نہ آدم زاد، شیر خوار بچے کے ساتھ رہنا گوارہ کیا، اوراس کے لیے پانی کی تلاش میں، بے تابانہ دونوں پہاڑوں کے درمیان دوڑیں اور چڑھ چڑھ کر جھانکا اور دیکھا کہ شاید کوئی قافلہ گزرتا نظر آئے اور پانی مل جائے، کتنا کڑا تھا یہ امتحان کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنی اہلیہ اور دودھ پیتے بچہ اسماعیل کو اس سنسان اور چٹیل وادی میں تنہا چھوڑ کر شام جانے کا حکم ملا، اللہ اکبر! نہ دانہ، نہ پانی، نہ پھل فروٹ اور نہ سبزہ وہریالی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قدرتی حسن وجمال سے مالا مال سرسبز وشاداب ملک چھوڑ کر یہاں آنے کا حکم ملا تھا، اور ننھے اسماعیل کو اسی ویرانے میں بے سہارا چھوڑ کر چلے جانے کا حکم ملا، تعمیل حکم فرمائی، حضرت ہاجرہ نے بھی مالک کے حکم پر اسی کے بھروسہ یہاں رہنے کو قبول فرمایا، لیکن اس عالم اسباب میں پانی کی فکر میں صفاومروہ کے چکر لگائے اور نبی کی بیوی اور نبی کی ماں ہونے کے باوجود ظاہری اسباب اور سعی وتدبیر کو ایمان اور توکل کے خلاف نہیں سمجھا، وہ پریشان ضرور تھیں، لیکن ناامیدی کے بغیر خدا پر پورا بھروسہ رکھتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس مجبور کی سعی کو قیامت تک کے حاجیوں کے لیے ایسا بنادیا کہ سعی کے بغیر حج مکمل ہی نہیں ہوسکتا، اللہ کے گھر کے مہمان یہ حاجی منیٰ وعرفات جائیں گے، قربانی بھی کریں گے، رمی جمار بھی کریں گے، یہ وہ دن ہے کہ شیطان اس دن سے زیادہ کبھی ذلیل نہیں ہوتا، ایک حدیث میں ہے کہ جب عرفہ کا دن ہوتا ہے، تو اللہ تعالیٰ سب سے نیچے کے آسمان پر اتر کر فرشتوں سے فخر کے طور پر فرماتے ہیں کہ میرے بندوں کو دیکھو کہ میرے پاس ایسی حالت میں آئے ہیں کہ سر کے بال بکھرے ہوئے ہیں، سفر کے سبب بدن اور کپڑے پر غبار پڑا ہوا ہے، "لبيك اللّٰهم لبيك" کا شور ہے، ہمارے یہ بندے دور دور سے آرہے ہیں، میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان کے گناہ معاف فرمادیے، فرشتے عرض کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ! فلاں شخص تو بہت گنہ گار ہے، اور فلاں مرد اور فلاں عورت (کے گناہ تو بہت ہیں) اللہ تعالیٰ جواب میں فرماتے ہیں کہ میں نے سب کی مغفرت کردی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اس دن سے زیادہ کسی دن لوگ جہنم کی آگ سے آزاد نہیں ہوتے۔ [مشکوٰۃ]

ایک حدیث میں تو یہاں تک ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: یہ میرے بندے بکھرے ہوئے بالوں کے ساتھ میرے پاس آئے ہیں، میری رحمت کے امیدوار ہیں، (اس کے بعد بندوں سے فرماتے ہیں) اگر تمہارے گناہ ریت کے ذروں کے برابر

ہوں، اور آسمان کی بارش کے قطروں کے برابر ہوں اور تمام دنیا کے درختوں کے برابر ہوں تب بھی بخش دیے جاؤ، بخشے بخشائے اپنے گھر چلے جاؤ۔[فضائل حج]

ایک حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غزوۂ بدر کا دن چھوڑ کر کوئی دن عرفہ کے دن کے علاوہ ایسا نہیں ہے، جس میں شیطان بہت ذلیل ہو رہا ہو، حقیر ہو رہا ہو، غصہ میں بری طرح پیچ وتاب کھا رہا ہو، (تلملا رہا ہو) اور یہ اس وجہ سے کہ عرفہ کے دن اللہ کی رحمتوں کو کثرت سے نازل ہوتے دیکھتا ہے، بندوں کے بڑے بڑے گناہوں کو معاف ہوتے ہوئے دیکھتا ہے، (اس لیے کہ کتنی محنتوں سے تو اس نے گناہ کرائے تھے اور معاف ہوئے جا رہے ہیں)۔اس لیے وہ حاجیوں کو بہکانے کے لیے بھی اپنے شریر لشکر کو لگا دیتا ہے کہ ان سے حج کے دوران گناہ کرانے کی محنت کریں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ کی شام کو عرفات کے میدان میں امت کی مغفرت کی دعا مانگی اور بہت الحاح وزاری سے دیر تک مانگتے رہے، رحمت الٰہی بھی جوش میں آئی اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا کہ میں نے تمہاری دعا قبول کرلی، اور وہ گناہ جو ان بندوں نے کیے ہیں وہ معاف کردیے، لیکن جس نے کسی پر ظلم کیا ہے، اس کا بدلہ لیا جائے گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر درخواست کی اور بار بار یہ درخواست کرتے رہے کہ اے اللہ! تو اس پر بھی قادر ہے کہ مظلوم کے ظلم کا بدلہ تو عطا فرمادے اور ظالم کے قصور کو معاف فرمادے، مزدلفہ کی صبح کو اللہ تعالیٰ نے یہ دعا بھی قبول فرمالی، اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے، صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ آپ نے (الحاح وزاری کی) حالت میں تبسم فرمایا، ایسے وقت تبسم کی عادت شریفہ نہیں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ جل شانہ نے میری دعا قبول فرمالی، اور شیطان کو اس کا پتہ چلا، وہ چیخنے چلانے لگا، اور اپنے سر پر مٹی ڈالنے لگا۔[ترغیب]

جن حاجیوں کو اللہ تعالیٰ اس طرح نوازے گا، اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے رو رو کر، گڑگڑا کر اس طرح ان سے گناہ معاف کرائے ہیں، انھیں حاجیوں سے یوم النحر کو اس طرح خطاب فرمایا ہے: ’’تمہارا خون، تمہارا مال، تمہاری عزت تم پر ایسے ہی حرام ہے، جیسے تمہارے آج کے دن، تمہارے اس شہر میں، تمہارے اس مہینہ میں، جلدی تم اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہوگے اور تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں پوچھے گا، سن لو ہمارے بعد تم غلط راہ پر نہ پڑ جانا کہ ایک دوسرے کو قتل کرو۔[مشکوٰۃ]

کتنے خوش نصیب ہیں وہ حضرات جو گناہوں سے اس طرح پاک صاف ہوکر آئے جیسے آج پیدا ہوئے ہوں۔ مالک کی اس نوازش کا تقاضا یہ ہے کہ اب زندگی قرآن وحدیث ہی کی روشنی میں گزرے، اللہ تعالیٰ نے شیطان کو قیامت تک کی مہلت دی ہے، وہ عرفات میں ذلیل ورسوا ہونے اور سر پیٹنے کے بعد چین سے نہیں بیٹھے گا، اس لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جیسے دوران حج ایک دوسرے کی جان، مال، عزت وآبرو تم پر حرام ہے، ایسے ہی پوری زندگی حرام ہے، اور زندگی کے جھمیلوں میں تمہیں بہت سنبھل سنبھل کر قدم رکھنا ہے کہ مبادا شیطان بہکائے اور گناہ کرائے کہ توبہ کرلینا، پھر حج کرلینا۔

☆☆☆☆☆

File F:\Graphic1.tif not found.

پاجا سراغ زندگی

تصحیح نیت اور رسوخ فی العلم

جامعہ اسلامیہ اعظم گڑھ میں ۱۸ ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ کو کی گئی ایک رہنما تقریر

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

تصحیح نیت

میرے عزیزو! میں اس وقت آپ سے تفصیل سے بات نہیں کرسکتا، صرف تین باتیں کہتا ہوں، ایک بات تو یہ ہے کہ آپ علم دین حاصل کرنے آئے ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کو کامیاب کرے، ایک نصیحت کی بات تو یہ ہے کہ آپ اپنی نیت درست کریں، علم دین حاصل کرنے کی جو صحیح نیت ہے وہ تازہ کریں اور تازہ کرتے رہیں، تاکہ آپ کو، آپ کے سرپرستوں کو، اور آپ کے والدین کو اور مدرسہ کے بانی کو ثواب ملتا رہے، اور بہت سے کام ہم کرتے ہیں مشینری طریقہ پر، اس میں کوئی نیت نہیں ہوتی، اس کا استحضار نہیں ہوتا، تو اس کا ثواب نہیں ملتا۔

ایک بات تو یہ ہے کہ آپ ابھی سے نیت کریں کہ اللہ کی خوشی کے لیے علم دین حاصل کر رہے ہیں، ہم کو اللہ تعالیٰ اس قابل بنائے کہ ہم اللہ کا منشا سمجھیں اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا منشا سمجھیں اور اس کو دوسروں تک پہنچائیں، ورنہ آپ میں اور کسی نرسری اسکول کے طلبہ میں کوئی فرق نہیں رہ جائے گا، وہ بھی پڑھتے ہیں اور آپ بھی پڑھتے ہیں، وہ بھی محنت کرتے ہیں اور آپ بھی محنت کرتے ہیں، وہ انگریزی اور ہندی پڑھ رہے ہیں اور آپ عربی اور اردو پڑھ رہے ہیں، بس اتنا فرق رہ جائے گا، ایک بات تو یہ ہے کہ ذرا خیال کرلیا کیجیے کہ ہم یہاں کیوں آئے ہیں؟ اپنے گھر کو ہم نے کیوں چھوڑا ہے؟ یہاں کیوں پڑے ہوئے ہیں؟ علم دین حاصل کرنے کی بڑی فضیلتیں آئی ہیں، حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک مرتبہ حجرۂ مبارک سے باہر تشریف لائے تو ایک طرف اللہ کا ذکر ہو رہا تھا، اللہ کی یاد ہو رہی تھی، تسبیحات پڑھی جا رہی تھیں، اور ایک طرف کچھ لوگ مسئلے مسائل سیکھ رہے تھے، پوچھ رہے تھے، مذاکرہ کر رہے تھے، تو آپ ﷺ نکلے اور ان پر آپ نے شفقت کی نگاہ اور سرپرستانہ نگاہ ڈالی، قدر کی نگاہ ڈالی اور ان لوگوں کے پاس گئے جو مسائل سیکھ رہے تھے اور فرمایا: "إِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا" [ابن ماجہ، حدیث رقم ۲۲۹] (میں معلم ہی بنا کر بھیجا گیا ہوں)، تو ایک تو یہ اس کو یاد رکھیں، پھر ملنا ہو یا نہ ہو زندگی کا کوئی اعتبار نہیں۔

تو آپ سے ایک بات کہتے ہیں کہ اپنی نیت درست اور صحیح کر لیجیے اور تازہ کر لیجیے کہ ہم اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لیے پڑھ رہے ہیں تاکہ علم دین حاصل ہو، اور اللہ نے جو زندگی گزارنے کا طریقہ بتایا ہے اور اللہ کے رسول نے جو طریقہ سکھایا ہے، اس کو سیکھنے کے لیے پڑھ لیں، قرآن پڑھیں گے، حدیث پڑھیں گے، دوسروں تک پہنچائیں گے، اسلام اور کفر کا فرق، توحید اور شرک کا فرق، طاعت و معصیت کا فرق، سنت و بدعت کا فرق دوسروں کو ہم بتائیں گے۔

علم میں رسوخ

دوسری بات یہ ہے کہ صرف ونحو میں پختگی پیدا کیجیے، جو چیزیں آپ کو پڑھائی جائیں ان میں پختگی پیدا کیجیے، اس زمانہ میں بہت کچا پن آرہا ہے، بڑے بڑے مدرسوں میں صرف ونحو میں ہی پختگی نہیں ہوتی، صحیح عبارت نہیں پڑھ سکتے، پوچھا جائے یہ منصوب کیوں ہے؟ مرفوع کیوں ہے؟ اس کو وہ نہیں بتا سکتے، اور بہت سے لوگ ہیں جن کی شہرت ہے لیکن وہ صحیح عبارت نہیں پڑھ سکتے، ہمیں تجربہ ہوا ہے بہت سی کانفرنسوں میں، بعض بڑی مجلسوں میں کہ جب ان کو عربی پڑھنے کا اتفاق ہوا اور وہ بہت بڑے محقق ہیں، بہت بڑے مفکر ہیں، لیکن جب عربی پڑھنے کا اتفاق ہوا اور اپنا ہی لکھا ہوا مضمون پڑھنے کا اتفاق ہوا تو وہ تو پڑھ رہے ہیں لیکن ہم شرما رہے ہیں، تو بتائیے لوگ کیا کہیں گے؟ تو ہم تم سے کہہ رہے ہیں کہ صرف ونحو اور ادب میں پختگی پیدا کرو تاکہ تم بتا سکو منصوب کیوں پڑھا، اور مرفوع کیوں پڑھا، اور جو کچھ پڑھو پختگی سے پڑھو، اور علم میں رسوخ پیدا کرو، رسوخ فی العلم بہت بڑی چیز ہے، فقہ وحدیث میں رسوخ پیدا کرو۔

اپنے اندر سعادت مندی پیدا کرو

تیسری بات یہ کہ اپنے اندر سعادت مندی پیدا کرو، اساتذہ کا ادب و احترام کرو، کتاب اور علماء کا ادب کرو، درس گاہوں کا احترام کرو، اسلام میں ادب بڑی اہمیت کا حامل ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ" [سورۃ الحج: ۳۲]،

......بقیہ صفحہ ۹ ر پر

www.tameerehayat.com

File F:\Graphic1.tif not found.

روح پرور

شعائر اللہ کی عظمت

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ دنیا میں چار چیزیں ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے اعلیٰ شعائر (شعائر اللہ) میں شامل ہیں، یعنی اس کی مخصوص چیزیں ہیں، دنیا میں اللہ تعالیٰ کی مخصوص چیزوں کا احترام اسی طرح کرنا چاہیے، جیسا ان کا حق ہے، ان میں ایک قرآن مجید ہے، دوسرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت، تیسرے کعبہ اور چوتھے نماز ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ کی ذات سے کسی بھی چیز کا تعلق ہوجائے تو وہ چیز بھی معظم و محترم ہوجاتی ہے، اس دنیا میں مندرجہ بالا چار چیزیں ایسی ہیں جن کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے، اور ان کو ”شعائر اللہ“ سمجھا جاتا ہے، اسی لیے ان کی عظمت بھی بڑھی ہوئی ہے، شعیرۃ عربی میں شعار سے ہے، اور شعار اس کپڑے یا اس چیز کو کہتے ہیں جو ہر وقت انسان کے جسم سے لگی رہے، جیسے بنیائن، کرتا، پائجامہ، البتہ شیروانی یا کوٹ پہننا یا چادر اوڑھنا یہ اس سے الگ ہے، اس کو ضرورت پر استعمال کیا جاتا ہے، ہر وقت نہیں پہنا جاتا، تو جو لباس جسم سے بالکل وابستہ رہتا ہے اس کو عربی میں شعار کہا جاتا ہے، اسی طرح دین کی وہ چیزیں جو اللہ تعالیٰ سے براہ راست تعلق رکھتی ہیں وہ ’’دینی شعائر‘‘ میں شمار ہوتی ہیں، اسی لیے حج کی متعدد چیزوں کو شعائر کہا جاتا ہے، ہر مسلمان پر شعائر کا احترام کرنا لازمی ہوتا ہے، اس لیے کہ ان کا تعلق براہ راست اللہ تعالیٰ سے ہوتا ہے، قرآن مجید میں آتا ہے:

”وَمَن يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِن تَقْوَى الْقُلُوبِ“. [الحج:۳۲]

(جو اللہ تعالیٰ کے شعائر کا احترام کرتا ہے تو یہ اس کے دل کے تقویٰ کی بات ہے)۔

تقویٰ کے معنی احتیاط و بچاؤ کے ہیں، آدمی کا اپنے کو گناہوں اور بری باتوں سے بچانا تقویٰ ہے، ہر بری بات، اللہ تعالیٰ کی معصیت اور جس سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا، اور جو چیزیں اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں، ان سے اپنے کو بچانا تقویٰ میں شامل ہے، معلوم ہوا اصل تقویٰ یہ ہے کہ جو چیز بھی اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھنے والی ہو اس کا دل میں احترام ہونا چاہیے۔

شعائر اللہ میں جن چار عظیم چیزوں کا شمار ہوتا ہے، یہ وہ چیزیں ہیں جن کا خاص اللہ تعالیٰ سے تعلق ہے، اس لیے ان کے ساتھ بہت اہتمام کرنے کی ضرورت ہے، اور ان سے اپنا تعلق بہت ہی مخلصانہ اور اچھی نیت سے قائم کرنے کی ضرورت ہے، قرآن مجید چونکہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اور اس کا براہ راست اللہ تعالیٰ سے تعلق ہے اس لیے یہ عظیم شعائر میں داخل ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو انسانوں کی توجہ خالق حقیقی کی طرف مبذول کرانے کے لیے نازل فرمایا، قرآن مجید میں ایک دوسرے کے ساتھ کیا معاملہ اور تعلقات ہونا چاہئیں اس کو واضح کیا گیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم بھی شعائر اللہ میں ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنا لیا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے صاف فرمادیا ہے:

”قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ“. [آل عمران:۳۱]

(اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف کردے گا، اللہ تعالیٰ بہت مغفرت کرنے والا نہایت رحم والا ہے)۔

اس آیت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و مرتبہ کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، ایک دوسری جگہ پر مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے یہ بھی فرمادیا گیا دیا:

”لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ“. [الأحزاب:۲۱] (اللہ کے رسول میں تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے)۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے انسان کامل بنایا، جیسے کوئی ماڈل یا نمونہ ہوتا ہے اس کو دیکھ کر آدمی چیز کی حقیقت کو سمجھتا ہے، اور غور کرتا ہے کہ کس طرح اس کی نقل کی جائے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو انسان کا اعلیٰ نمونہ بنایا، انسان اگر بہتر سے بہتر انسان بننا چاہتا ہے تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نقل کرے، آپؐ کے طریقہ کو اختیار کرے، آپؐ کی سنت پر عمل کرے، تو وہ اللہ کے یہاں محبوب ہوجائے گا، مقرب ہوجائے گا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخصیت کو اپنے ساتھ مخصوص کرلیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ انسان تھے لیکن

www.tameerehayat.com

اس کے ساتھ ساتھ آپ نبی بھی تھے، اور نبی کی نگرانی اوراس کی سرپرستی براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے، اس لیے نبی کی غلطی غلطی نہیں رہتی، اگر نبی سے جلدی میں کوئی غلط فیصلہ ہوجائے جو خاص اسی کی رائے سے ہوتو فوراً اوپر سے توجہ دلادی جاتی ہے کہ یہ غلط ہے تم اس کو اس طرح کرو، گویا نبی کو اللہ کی پوری سرپرستی حاصل ہوتی ہے، اسی لیے نبی سے غلطی نہیں ہوتی۔

اسی طرح بیت اللہ شریف بھی شعائر اللہ میں ہے کیونکہ وہاں انوار الٰہی کی بارش ہوتی ہے، اور اس کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کی جاتی ہے، اس کو بیت اللہ یعنی اللہ کا گھر کہا جاتا ہے، لہٰذا اس کا بھی احترام وتعظیم اوراس سے قرب کو اپنے لیے ترقی، فلاح کا ذریعہ سمجھنا ضروری ہے، بیت اللہ احترام یہ ہے کہ بیت اللہ شریف کا طواف کیا جائے، کیونکہ وہاں طواف نفل سے زیادہ افضل چیز ہے، اوراگر کوئی شخص طواف نہ بھی کرے تو صرف بیٹھ کر بیت اللہ شریف کو دیکھتا ہی رہے، اپنی آنکھوں کو اس سے لگاتا رہے یہ بھی اس کا احترام ہے اوراس سے انسان کی روحانی ترقی ہوتی ہے۔

شعائر اللہ میں چوتھی چیز نماز ہے، اللہ تعالیٰ نے جہاں جہاں ایمان کی بات فرمائی ہے وہاں نماز کا ذکر بھی آیا ہے، فرمایا گیا ہے کہ شرک نہ کرو اور نماز پڑھو، نماز کو ذکر کے ساتھ وابستہ کردیا ہے اور فرمایا کہ مسلمان اور کافر کے درمیان فرق کرنے والی چیز نماز ہے، گویا ایک طریقہ سے یہ بات کہہ دی گئی کہ نماز وہی چھوڑتا ہے جو کافر ہے، مسلمان نماز چھوڑ ہی نہیں سکتا، یہ اس کی شان کے خلاف بات ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ سے اس کا خاص تعلق ہے، اور نماز مومن کی معراج ہے، یعنی اللہ کے دربار میں اس کی حاضری ہے، نماز کے ذریعہ سے اللہ سے اس کا قریبی تعلق قائم ہوجاتا ہے، جس طرح انسان بادشاہ کے دربار میں سامنے جاکر کھڑا ہوجاتا ہے، اب اگرکسی کو نماز کے ذریعہ اس کے دربار میں پہنچنے کی کیفیت حاصل ہوجائے تو اس کو کتنا مزا آئے، حکم کی تعمیل اپنی جگہ پر ہے، لیکن یہ اس شخص کے لیے کتنے بڑے اعزاز کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے دربار میں باریابی کا شرف عطا فرمایا، لیکن یہ سب کچھ جبھی ممکن ہے جب انسان اس کو اسی طرح سمجھے، کیونکہ آدمی کے خود سمجھنے پر ہی سارا انحصار ہے۔

☆☆☆☆☆

.........بقیہ صفحہ ۷/کا

شاہ صاحبؒ کی تحقیق اوران کے بیان کے مطابق شعائر کی تشریح کتاب اللہ، بیت اللہ اور نماز ہے، لیکن ان کے ساتھ اور ذیلی شعائر ہیں جو ان کا حامل ہو، جو ان کا خادم ہو، جس کی ان کی طرف نسبت ہو وہ سب بھی شعائر ہیں، تو ادب و احترام لازم سمجھو، اسکولوں اور کالجوں کی طرح نہیں کہ وہاں نہ کتاب کا ادب ہے، نہ استاد کا ادب ہے اور نہ ہی کسی سرپرست کا ادب ہے، تو اساتذۂ کرام کا، کتابوں کا، درس گاہوں کا حقیقی معنی میں ادب کرو اور اپنے اندر امتیاز پیدا کرو، علمی بھی اور عملی بھی، کہ تمہیں دیکھ کر لوگوں کے دلوں میں دین کا احترام پیدا ہو اور دین کی طرف ان کا رجحان ہو۔

تو میرے عزیزو! نیت کی تصحیح کرو کہ ہم اللہ کو خوش کرنے کے لیے اور اللہ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے پڑھ رہے ہیں، اور تہذیب سیکھنے اور دوسروں کو تہذیب سکھانے کے لیے پڑھ رہے ہیں، بس اللہ آپ لوگوں کو علم وعمل سے نوازے، اور مدرسہ کو ترقی عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین۔

☆☆☆☆☆

(سات جلدوں پر مشتمل) آسان ہندی زبان میں ترجمہ وتفسیر

تفسیر فاروقی اور ہندی ترجمہ **قرآن مجید کا پیغام**

از -(مولانا) مفتی محمد سرور فاروقی ندوی

یہ مسلم وغیر مسلم اور نومسلموں کے لیے آسان ہندی زبان میں تفسیر ہے، جس میں ہر روز کے سبق کے اعتبار سے تقریباً دس دس آیتوں کا ترجمہ پھر ہر آیت کی الگ الگ تفسیر نمبر ڈال کر لکھی گئی ہے، پھر ہر آیت کا پہلے شان نزول، اس سے متعلق احادیث اور مسائل کے ساتھ غیر مسلموں کے عقائد وسوالوں کے جوابات اور سائنسی تحقیق وفضائل کا ذکر کیا گیا ہے۔

ناشر: مکتبہ پیام امن، ندوہ روڈ، ڈالی گنج، لکھنؤ

موبائل نمبر: 0998449015, 09919042879

جذب دروں

عصرِ حاضر میں اسوۂ ابراہیمی کی معنویت

مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی

حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام دنیا میں اس وقت آئے جب معصیت کا بازار ہر طرف گرم تھا، گھر سے لے کر باہر تک ساری دنیا صرف ایک کام میں مشغول تھی، اور وہ تھا بت سازی اور بت پرستی کا کاروبار، خود حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ آزر بت پرست ہونے کے ساتھ ہی ایک بڑے ماہر بت تراش اور اپنے زمانے کے فنکار بھی تھے، پورا ماحول اسی بت سازی اور بت پرستی کی لعنت میں گرفتار تھا، انسان کی معراج ہی یہ تھی کہ کم از کم اگر وہ بت ساز نہیں ہے تو بت پرست ضرور ہو، اس وبا نے تمام انسانوں کو بری طرح گھیر رکھا تھا، اور ہر شخص اپنے حقیقی ماحول سے دور بہت دور ایک ایسی خاردار وادی میں بھٹک رہا تھا جہاں بجز معدہ و مادہ کے کسی اور بات کا گذر نہ تھا، اور لوگ اس کے علاوہ کسی اور چیز سے آشنا بھی نہیں تھے۔

حرص وہوس سے جکڑے ہوئے اسی ماحول میں ابراہیم علیہ السلام نے آنکھ کھولی، انہوں نے اپنی حقیقت آشنا نگاہوں سے اس گھٹتے ہوئے انسان کو دیکھا جو اپنی ساری صلاحیتوں کو پتھر اور لکڑی پر صرف کر رہا تھا، انہوں نے ایک بے جان اور بے حس وحرکت بت کے سامنے لوگوں کو اپنی پیشانیاں ٹکاتے ہوئے دیکھا، انہوں نے اس محدود اور مقید ذہن کو دیکھا جو ایک تنگ دائرے کے ارد گرد گھوم رہا تھا، اور جس کا مطمحِ نظر صرف معدہ تھا، اور مادہ پرستی کی ایک گھناؤنی شکل جس کا مرکزِ توجہ والتفات تھی۔

یہ ساری باتیں انسان کے فطری وظیفہ کے بالکل خلاف تھیں اور دوسرے الفاظ میں انسانی فطرت سے جنگ کے مرادف تھیں، ابراہیم علیہ السلام نے اپنی خداداد صلاحیت اور اپنی فطری قوت سے ان تمام مادی طاقتوں کو چیلنج کیا، یا انہوں نے بت پرستی اور بت سازی کی مخالفت کی، انہوں نے حرص وہوس کی اندھی تقلید پر احتجاج کیا، اور انہوں نے اس غیر حقیقی ماحول کے خلاف اعلان جنگ کیا اور اپنے باپ آزر کو اس بے راہ روی سے باز رہنے کی فہمائش کی، اور قرآن مجید کی زبان میں ابراہیم علیہ السلام نے صاف صاف کہا:

"وَإِذْ قَالَ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَالَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنْكَ شَيْئاً، يَا أَبَتِ إِنِّي قَدْ جَاءَنِي مِنَ الْعِلْمِ مَالَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِي أَهْدِكَ صِرَاطاً سَوِيّاً، يَاأَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ، إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيّاً، يَا أَبَتِ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُونَ لِلشَّيْطَانِ وَلِيّاً". [مریم:۴۲-۴۵] (جبکہ انہوں نے اپنے باپ سے 'جو کہ مشرک تھا' کہا کہ اے میرے باپ! تم ایسی چیز کی کیوں عبادت کرتے ہو جو نہ کچھ سنے اور نہ کچھ دیکھے اور نہ تمہارے کچھ کام آسکے ۔ اے میرے باپ! میرے پاس ایسا علم پہنچا ہے جو تمہارے پاس نہیں آیا، تو تم میرے کہنے پر چلو، تم کو سیدھا راستہ بتاؤں گا، اے میرے باپ! تم شیطان کی پرستش مت کرو، بیشک شیطان رحمٰن کی نافرمانی کرنے والا ہے، اے میرے باپ! میں اندیشہ کرتا ہوں کہ تم پر رحمٰن کی طرف سے کوئی عذاب نہ آ پڑے، پھر تم (عذاب) میں شیطان کے ساتھ ہو جاؤ)۔

ابراہیم علیہ السلام کی یہ صاف گوئی اور ان کا اعلانِ حق آزر کی بت ساز طبیعت کو چیلنج نہ کرسکا، اور وہ اس غیر حقیقی ماحول کو چھوڑ کر اپنے بیٹے کی بات سننے اور ماننے پر کسی طرح تیار نہ ہوا، اور اس نے صاف صاف کہہ دیا:

"قَالَ أَرَاغِبٌ أَنْتَ عَنْ آلِهَتِي يَاإِبْرَاهِيمُ، لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَأَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِي مَلِيّاً". [سورۂ مریم:۴۶] (باپ نے جواب دیا کہ تم میرے معبودوں سے پھرے ہوئے ہو، اے ابراہیم! اگر تم باز نہ آئے تو میں ضرور تم کو پتھروں سے سنگسار کر دوں گا اور ہمیشہ کے لیے مجھ سے برکنار رہو)۔

لیکن ابراہیم علیہ السلام ہر طرح کی دھمکی اور خطرے سے بے پروا اپنے کام میں مشغول رہے اور فطرت کے اصول کے سامنے انہوں نے کسی ایسے تصور کو ماننے یا اس کے قبول کرنے سے قطعاً انکار کر دیا جو انسان کو انسان ہی کے آگے نہیں بلکہ پتھروں اور بے حس وحرکت مجسموں کے سامنے جبینِ نیاز جھکانے پر آمادہ کرے، وہ اس مصنوعی اور بے جان ماحول میں ایک اجنبی تھے، لیکن ان کے ایمان کی طاقت نے اپنے زمانے کی بڑی سے بڑی طاقت سے ٹکر لی اور پوری آبادی کے خلاف ان کی آواز اس وقت اٹھی جبکہ ہر طرف سے خطرات ان کو گھیرے ہوئے تھے، اپنے اور پرائے ان کے دشمن ہو چکے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہر خطرہ کو دعوت دی اور ہر مخالفت کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہوئے، آگ کے دہکتے ہوئے شعلوں میں اپنی جانِ عزیز کو فنا کر دینے میں انہوں نے ذرا بھی تامل

www.tameerehayat.com

File F:\Graphic1.tif not found.

نہیں کیا، جس کا انجام یہ ہوا کہ مخالفین پسپا ہو گئے، دشمن شکست کھا گئے اور آگ کے دہکتے ہوئے شعلے گل وگلزار بن گئے، یہ ابراہیم علیہ السلام کے ایمان کی وہ لازوال اور غیر فانی طاقت تھی جس کے سامنے دنیا کی ہر بڑی طاقت شکست خوردہ تھی اور جس نے اپنے زمانے کے جابر اور صاحب سطوت بادشاہ کے سامنے اس شانِ بے نیازی کا مظاہرہ کیا جس کی مثال دنیا کی تاریخ میں مفقود ہے۔

اس آزری ماحول کو جنم دینے اور اس غیر حقیقی معاشرہ کو برپا کرنے میں جس چیز کو سب سے زیادہ دخل تھا وہ اسباب ووسائل کے پیدا کرنے والے سے قطع نظر کر کے اسباب ووسائل پر مکمل اعتماد تھا، اسباب ہی معبود وکارساز سمجھے جانے لگے تھے اور وسائل ہی پر زندگی کی ساری عمارت قائم تھی، اللہ تعالیٰ نے اس دور کے انسانوں کو متنبہ کرنے کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذریعے اسباب وعلل کی بے بسی کا راز افشا کرنا چاہا اور یہ بتایا کہ ان وسائل کے بغیر بھی انسان کس طرح بلند سے بلند مرتبہ پر پہونچ سکتا ہے اور وہ کس طرح بڑے سے بڑے خطرے کا مقابلہ کر سکتا ہے، چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پوری زندگی اور زندگی کے ہر ہر گوشے میں یہ پہلو اس قدر نمایاں ہے کہ ہر موقع پر اس کا اظہار ہوتا ہے، خواہ وہ آتش نمرود ہو یا وادیٔ غیر ذی زرع کے تپتے ہوئے ریگستان، بے یار و مددگار بیوی کی بے تابی اور شدت انتظار ہو یا شیر خوار بچے کی پیاس کی بے چینی ہو، ظالم وجابر بادشاہوں کی نظر حرص ہو یا پوری قوم اور برادری کی شدت عداوت کا عالم ہو، آپ جدھر بھی نظر ڈالئے، وسائل واسباب کا فقدان اور بے یاری وبے بسی، عجز وتہی دستی ہر جگہ نمایاں اور صاف نظر آئے گی، لیکن اس کے باوجود ہر موڑ پر کامیابی اور سخت سے سخت آزمائش میں ایک غیبی مدد اس طرح ساتھ ساتھ دکھائی دے گی کہ اسباب ووسائل کی اس دنیا میں اس کی کوئی قیمت نہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام صرف ایک ماحول یا ایک قوم اور معاشرہ کے باغی نہیں تھے بلکہ وہ اس زمانے کے باغی تھے جو اپنا حقیقی راستہ بدل کر وسائل کی راہ پر گامزن تھا اور اسی کو اپنی معراج اور حقیقی کامیابی کا راستہ سمجھ رہا تھا، انہوں نے آکر اعلان کیا کہ اے اہل زمانہ! تم نے جو راستہ اختیار کیا ہے وہ تمہاری خودی اور تمہارے مرتبہ کے کسی طرح شایانِ شان نہیں ہے، تم اشرف المخلوقات ہوتے ہوئے بت سازی وبت پرستی میں مشغول ہو، تم انسان ہو کر ان مجسموں کے سامنے جھکتے ہو جو تم کو کچھ بھی فائدہ نہیں پہونچا سکتے، بلکہ وہ ہر وقت تمہارے ہی محتاج رہتے ہیں، ان پر ایک مکھی بیٹھ جائے تو اس کو اڑانے کی بھی طاقت جس معبود کے اندر نہ ہو وہ بلاشبہ باطل وناحق ہے، اور اس سے لو لگانا، اس کے سامنے جبین نیاز جھکانا تمہاری سخت توہین ہے، اور تمہاری جبین امتیاز پر کلنک کا ٹیکہ ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہزاروں سال پہلے جن خود ساختہ معبودوں اور خانہ ساز اصولوں کو توڑا تھا، آج دنیا پھر انہیں معبودوں اور انہیں اصولوں کی پیروی کر رہی ہے، تاریخ نے گویا اپنے آپ کو دہرایا، اور آزر کی صنعت کو آج پھر فروغ حاصل ہوا ہے۔ وسائل واسباب کے سامنے آج عجز وعبادت کا سر خم ہو رہا ہے، کارساز حقیقی سے بے تعلق اور فنا ہو جانیوالے اسباب پر کامل توکل اور بھروسہ، آج کی دنیا کا اصول بن چکا ہے۔

یہ آزری فتنہ جب بھی دنیا میں فروغ پائے گا اور وہ محدود وتنگ ماحول جہاں بھی قائم ہو گا وہی لعنتیں اس کے ساتھ آئیں گی، معیار بدل جائے گا، ذہنی توازن متغیر ہو جائے گا، گناہوں، لذتوں اور شہوات نفس کو اخلاقی قدروں کا درجہ دے دیا جائے گا، ہر بے اصولی اور فطرت سے بغاوت کو فن اور صنعت کا لباس پہنا دیا جائے گا، اور انسان نہ صرف انسان کے آگے جھکنے لگے گا، بلکہ وہ گناہوں کی عبادت، نفس کی پرستش، رذالت وکمینگی کو فروغ دینے کے لیے اپنے سارے امکانات کو صرف کرنے کی پیہم کوشش میں لگ جائے گا، اور انسانیت دم توڑتی ہوئی نظر آئے گی۔

فتنہ آزری آج سے ہزاروں سال پہلے پیدا ہوا تھا، لیکن آج پھر وہ تازہ دم ہے اور ساری دنیا کو اپنے تیز رو سیلاب کی زد میں لے چکا ہے، اگر پہلے ایک آزر تھا تو آج ہزاروں لاکھوں آزر پیدا ہو چکے ہیں، آج کے آزروں کی اولاد مارکس واسٹالن، خروشچیف وبلگانن ہیں، اگر اس آزر نے سنگ سار کرنے کی دھمکی دی تھی تو آج کے آزر لاکھوں ابراہیمیوں کو گولی کا نشانہ بنا چکے ہیں اور دار کے تختوں پر لٹکا چکے ہیں، اور آزر کا طوفان اتنا بلا خیز نہیں تھا جتنا اس کے متبعین اور آج کے آزروں کا ہے۔

پورے ہجری سال میں سب سے زیادہ ابراہیمی یادگاروں کا جو زمانہ ہے وہ ذی الحجہ کا مہینہ ہے، جس میں ابراہیم علیہ السلام کی متعدد یادگاروں اور مختلف آزمائشوں کو ہم یاد کرتے ہیں اور ان کی اتباع میں ہم بھی خدا کے حضور اپنی معمولی قربانی پیش کرنے کی جرأت کرتے ہیں، بلاشبہ ہماری قربانیاں، صفا ومروہ کے درمیان ہماری سعی اور اس گھر کا طواف جس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے ہاتھوں سے تعمیر کیا تھا یہ سب کچھ بہت ضروری اور ان کو انجام دینے والا خوش قسمت اور باعث صد مبارکباد ہے اور ان سے انکار کرنیوالا قابل عتاب وملامت بلکہ دائرۂ

www.tameerehayat.com

اسلام سے خارج ہے۔
لیکن اس اعتراف کے باوجود یہ کہنے میں کوئی حرج نہیں کہ محض رسمی طور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت کی پیروی کر لینا اوران کی یادگار میں شریک ہولینا اورسال میں عیدالاضحیٰ کے موقع پرایک جانورکی قربانی دیدینا کافی نہیں، اورنہ اس سے اس طوفان کا مقابلہ کیاجاسکتا ہے جس کا مقابلہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے زمانے میں کیا۔

اس وقت دنیا مادیت کے سامنے اسی طرح سربسجود اور اسباب ووسائل کی پرستش میں اسی طرح مشغول ومنہمک ہے جس طرح ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں تھی، بلکہ آج اس مادیت کا دھارا پہلے سے زیادہ تیز ہے، پہلے مٹی اور پتھر کے بت پوجے جاتے تھے، لیکن آج سونے چاندی کے بت، اورتہذیب وتمدن کے بت، اورقومیت ووطنیت کے مجسموں کی پرستش میں دنیا پوری طرح ڈوبی ہوئی ہے اور مختلف ناموں سے نفس کی پرستش میں لوگ مصروف ہیں، کبھی فن اور آرٹ کے نام سے نفس کی پوجا ہورہی ہے تو کبھی خدمت اورترقی کے نام سے بت پوجے جارہے ہیں، اور کہیں علم وادب کا سائن بورڈ لگا کر مادیت کے سیلاب کو آگے بڑھایاجارہا ہے۔

آج کی ترقی یافتہ دنیا میں ہر چیز کی شکل بدل گئی ہے اور ہر پہلو سے آزری فلسفوں کی خدمت ہورہی ہے، یہ وہ وقت ہے جبکہ ابراہیم علیہ السلام کے پیروؤں کو بت شکنی کے لئے کمربستہ ہونا چاہئے، آج ابراہیم جیسا ایمان، ابراہیم کی سی جرأت وہمت اور ابراہیم جیسا اخلاص چاہئے، جو مادیت کے فلسفوں میں جکڑی ہوئی اور دم توڑتی ہوئی انسانیت کا مداوا کرسکے اوراس کو بچاسکے۔

آج اسی بت شکن، بہادر اور مردمومن جری اور مخلص ابراہیم کی ضرورت ہے جس نے اپنے نفس ایمانی سے آزر کے جادو کو توڑا، اور اپنے اخلاص وعمل کے جذبہ سے آزر کے بت کدہ کو ٹھنڈا کیا، اس بت کدہ میں آج پھر بہت سے بت جمع ہوگئے ہیں اوران کو توڑنے کے لئے ایک ابراہیم کی ضرورت ہے، لیکن بجز ابراہیم علیہ السلام کے پیروؤں کے اورکون ہوسکتا ہے جو اس مہم کو انجام دے اورابراہیمی سنت کو پھر سے زندہ کرکے انسانیت کا خراج حاصل کرے۔

☆☆☆☆☆

کابل میں ”امام ابوحنیفہؒ-حیات ونظریات“ پر عالمی کانفرنس

ندوہ سے دورکنی وفد کی شرکت ونمائندگی

وزارت حج واوقاف افغانستان کی طرف سے ایک عالمی کانفرنس شہر کابل میں ۱۹، ۲۰ رجون ۲۰۱۹ء کو منعقد ہوئی جس میں شرکت کے لیے دارالعلوم ندوۃ العلماء کو بھی دعوت دی گئی تھی، ندوہ کی جانب سے یہاں کے دو اساتذہ مولانا نیاز احمد ندوی استاذ حدیث وصدر شعبہ دارالافتاء اور مولانا محمد ظفر عالم ندوی استاد حدیث وفقہ کو شرکت کے لیے بھیجا، الحمدللہ ان حضرات نے مذکورہ بین الاقوامی سیمینار میں شرکت کی اور ہندوستان ودارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی طرف سے بہتر نمائندگی کی اور عربی زبان میں مقالے پیش کیے، اس عالمی کانفرنس میں تقریباً ۳۴ ممالک کے اصحابِ علم وتحقیق نے اپنے مقالے اورامام ابوحنیفہؒ کے افکار ونظریات سے متعلق اپنے تاثرات ظاہر کیے اورموجودہ عالمی تناظر میں فقہ حنفی کی روشنی میں اسلامی ملکوں میں نئے تمدن، نئے اقتصادی وسیاسی میدان اور شہری زندگی میں کیا تبدیلیاں لائی جاسکتی ہیں، ان پر غور وخوض کیا گیا، خاص طور پر امام ابوحنیفہؒ کے اس نظریہ کا تذکرہ رہا کہ امام صاحب اہل قبلہ کی تکفیر کے منکر تھے اورکسی گناہ اورعمل کی وجہ سے اسلام سے خارج نہیں سمجھتے تھے اور نہ مباح الدم کے قائل تھے۔

باہر ملکوں کے علاوہ افغانستان کے اہم علماء اور اصحابِ علم وتحقیق نے بڑی تعداد میں شرکت کی، چند ممتاز ومعروف علماء نے اپنے اپنے تاثرات بھی پیش کیے، صدر مملکت جمہورا اسلامی افغانستان جناب سید اشرف غنی نے بھی بحیثیت صدر شرکت کی اوراپنا صدارتی خطبہ بھی پیش کیا، انہوں نے راہِ اعتدال اختیار کرنے کی تلقین کی اوراس پہلو کو اختیار کرنے میں جو ضروریات پیش آئیں، ان میں تعاون کا وعدہ کیا، نائب صدر افغانستان کا مقالہ امام ابوحنیفہ کے افکار ونظریات پر کافی اہم تھا، اور وزیر حج واوقاف نے بھی سیمینار کے اصل موضوع پر طویل اور پر مغز تقریر کی، آخری نشست کے بعد صدر مملکت نے بیرونی ملکوں کے مہمانوں کو صدارتی محل میں آنے کی دعوت دی اورسب نے عشائیہ میں محترم صدر کے ساتھ شرکت کی، بعد ازاں محترم صدر کا مہمانوں کے سامنے اپنے اور ملکی حالات پر خصوصی خطاب ہوا، اورتشکر ودعا پر اس مجلس کا اختتام ہوا۔

اس پورے پروگرام کے دوران مملکت جمہوری اسلامی افغانستان نے تمام مہمانوں کی حفاظت و ضیافت کا بہتر انتظام کیا اور بڑی عزت واکرام کے ساتھ سرکاری سیکورٹی میں تمام امور انجام دیے گئے، اللہ تعالیٰ اس کانفرنس کے بہتر مقاصد کو بروئے کار لائے، عوام کی ہر طرح سے حفاظت فرمائے اورامن وسکون کی فضا قائم کرے، آمین۔

☆☆☆

File F:\Graphic1.tif not found.

فکر معاصر

نام نہاد تہذیب میں انسان کی بے بسی

مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ

آج انسان مصائب وآفات کے بھنور میں گھرا ہوا ہے، خواہ وہ کسی بھی تہذیب سے تعلق رکھتا ہو، بہر حال اس کی زندگی پریشانیوں اور آزمائشوں سے دوچار ہے، اور ''انسانی آزمائش'' عصر حاضر کا سب سے بڑا المیہ نظر آتی ہے، آج کا نام نہاد مہذب انسان کتنے ہی بلند وبانگ دعویٰ کرے کہ اس نے سائنس وٹکنالوجی کے میدان میں حیرت انگیز کارنامے انجام دیئے ہیں، ستاروں پر کمندیں ڈالی ہیں اور وہ کام کرلیے ہیں جو پچھلے انسانوں کے وہم وگمان میں بھی نہیں آسکتے تھے، اس نے طرح طرح کی مشینیں ایجاد کرلی ہیں جن کے ذریعہ زندگی کو بہتر سے بہتر بنایا جاسکتا ہے، آنے والے خطرات کو پہلے سے معلوم کیا جاسکتا ہے، لیکن ان سب کے باوجود یہ بھی حقیقت ہے کہ اس کی حالت پچھلے دور کے انسانوں سے کہیں بدتر ہے۔

آج کے دور میں انسان سے جو سب سے بڑی دولت چھن گئی ہے، وہ ہے راحت واطمینان اور دل کا سکون وقرار، کل لوگ اپنی زبوں حالی و غریبی میں بھی چین کی بانسری بجایا کرتے تھے، لیکن آج راحت کے ان تمام وسائل کے باوجود وہ پریشان وحیران ہیں حتی کہ آج وہ کم سن اور معصوم بچے بھی ذہنی وجذباتی تناؤ کا شکار ہیں جو کہ کل اس کا نام بھی نہیں جانتے تھے، اگر ان کے کسی عزیز رشتہ دار کا انتقال ہوجاتا اور تمام لوگ ماتم کناں ہوتے تب بھی وہ خوش وخرم کھیلتے پھرتے تھے، لیکن آج کا بچہ اسی طرح پریشان ہے جس طرح بوڑھا اور جوان ہے۔

دوسری چیز جو آج کے انسان کی زندگی میں مفقود ہے وہ امن وامان ہے، قدیم دور میں انسان پرامن زندگی گزارتا تھا اس کو اپنی ذات، اہل وعیال اور زمین وجائداد کے بارے میں کوئی خطرہ محسوس نہیں ہوتا تھا خواہ وہ کسی جنگل میں جھونپڑی بنا کر رہتا ہو، لیکن آج بڑی بڑی کوٹھیوں اور حویلیوں میں لوگوں کو سکون میسر نہیں، نگہداشت میں رہنے کے باوجود دل مطمئن نہیں، جان کا ہر وقت خطرہ، زندگی کے بارے میں طرح طرح کے اندیشے اور اس سے بڑھ کر افسوس کی بات تو یہ ہے کہ آج انسان اپنے عقیدہ ودین کو بھی محفوظ نہیں سمجھتا، اس کو اپنی مرضی سے طرز زندگی اختیار کرنے کی آزادی نہیں ہے ایک عقیدہ کے ماننے والوں پر مخالف عقیدہ زور زبردستی سے تھوپا جارہا ہے، امن وآشتی کے زمانے میں لوگ بادشاہوں وامراء کے زیر سایہ اپنی پسند اور مرضی کی زندگی گزارتے تھے، اپنے دین پر عمل کرتے تھے جس کو تہذیب حاضر کے علمبردار ظلم وزیادتی اور غلامی کا دور بتلاتے ہیں وہ دور بھی آج سے اچھا تھا اور اس میں بھی وہ آزادی نہیں چھینی گئی اور وہ ظلم وزیادتی نہیں کی گئی جو آج کی جارہی ہے۔

آج مہذب انسان نے کیا ترقی کی؟ علم و دانش نے زندگی کو کیا دیا؟ کیا آج جنگیں نہیں ہورہی ہیں، ظلم وجور اور جبر واستبداد کی گرم بازاری نہیں ہے؟ انسانی جانوں کو ادنیٰ مفاد کی خاطر ضائع نہیں کیا جارہا ہے؟ اور کیا آج محرومی وشقاوت کی عجیب شکلیں نہیں دیکھی جارہی ہیں، حوادث وآفات پیش نہیں آرہے ہیں؟ اگر کوئی عقل مندان سوالات پر ٹھنڈے دل سے غور کرے تو وہ اس حقیقت کا اقرار کرنے میں کوئی تامل نہیں کرے گا کہ انسان عاجز محض اور مجبور وبے بس ہے، اللہ تعالیٰ ہی قادر مطلق اور عالم الغیب والشہادہ ہے، اگر اس کی ذات پر ایمان ویقین اور توکل واعتماد سے محروم ہے تو یہ انسان بے حیثیت ہے، اللہ کی قدرت کو کوئی چیلنج نہیں کرسکتا اسی کا فیصلہ آخری فیصلہ ہے: ''لامعقب لحکمہ''۔

آئے دن کے حادثات وواقعات انسانوں کے سامنے اس کے دلائل وبراہین پیش کرتے رہتے ہیں، چنانچہ ''کیٹرینا'' سے جو تباہی و بربادی ہوئی اور جس تیزی سے اس نے علاقے کے علاقے صاف کردیئے وہ سب کے سامنے ہے، اور یہ اس ملک میں ہوا جو اپنے آپ کو ''آقائے عالم'' تصور کرتا ہے، تہذیب کا علمبردار ہے، علم وہنر پر جس کو ناز ہے، پھر ''ریٹا'' نامی دوسرا طوفان آیا، چند برسوں پہلے ہندوپاک میں ایک زبردست بھونچال آیا جس میں ہزاروں لاکھوں کی جانیں ضائع ہوگئیں، اس سے پہلے ''سونامی'' لہر میں نصف ملین سے زیادہ لوگ تباہ ہوگئے جس کی یہ توجیہ کی گئی تھی کہ وہ تحفظاتی ودفاعی نظام کے فیل ہوجانے کی وجہ سے پیش آیا تھا اور اس کا علم پہلے نہ ہوسکا ورنہ اس پر قابو پالیا جاتا، لیکن سوال یہ ہے کہ کسی پسماندہ ملک میں ایسا ہوتو کوئی زیادہ حیرت وتعجب کی بات نہیں؛ لیکن جو تحفظ ودفاعی مشینری اور ٹکنالوجی اور طاقت وقوت میں اپنے آپ کو سب سے فائق مانتا ہے وہ کیونکر

www.tameerehayat.com

File F:\Graphic1.tif not found.

اپنا تحفظ ودفاع نہ کرسکا؟۔

نام نہاد تہذیب وتمدن کے علمبردار اور حقوق انسانی کے پاسبان ایک طرف تو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کے پاس تمام مسائل کا حل موجود ہے، اور امن وسلامتی کے تمام ذرائع مہیا ہیں، وہ انسانی حقوق کے محافظ ہیں، باہمی گفت وشنید سے مسائل حل کیے جاتے ہیں، کوئی ملک کسی ملک پر ظلم نہیں کرسکتا، اس کے معاملات میں دخل اندازی نہیں کرسکتا، باہمی تعاون وتبادلہ اس دور کا امتیاز ہے، لیکن جب ایک طاقتور ملک دوسرے کمزور ملکوں پر حملہ کرتا ہے اوران کو کمزور کرکے پوری طرح اپنے شکنجہ میں کس لیتا ہے اس وقت یہ تمام دعوے کہاں چلے جاتے ہیں؟ اقوام متحدہ بھی خاموش تماشائی بنی رہتی ہے، آج کل ایک دعویٰ یہ بھی کیا جاتا ہے کہ موجودہ ترقی یافتہ دنیا قیدیوں کو حقوق عطا کرتی ہے اوران کا پورا احترام قائم رکھتی ہے، لیکن ترقی یافتہ ممالک کی جیلوں میں بند بے چارے قیدی جن سختیوں کا سامنا کررہے ہیں وہ صرف ظالمانہ نہیں، بلکہ وحشیانہ ہیں، درندوں سے تو اس طرح کا برتاؤ کا تصور کیا جاسکتا ہے، انسانوں سے نہیں۔

پہلے جنگیں محدود پیمانے پر ہوتی تھیں اوران کے نقصانات بھی بہت محدود ہوتے تھے، لیکن آج جنگیں عالمی پیمانہ پر ہوتی ہیں جن میں وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے اسلحے استعمال کیے جاتے ہیں، دہشت گرد تنظیموں اور تحریکوں کو مدد دی جاتی ہے کہ وہ معصوم جانوں پر ظلم کے پہاڑ توڑیں، گھروں میں سونے والے، سڑکوں پر چلنے والے بے گناہوں پر بم برسائیں، لیکن پھر بھی دعویٰ یہ ہے کہ آج کا دور تہذیب اور امن کا ہے، اور عزت وناموس کے تحفظ کا ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ’’نیچر‘‘ ہی خدا ہے اور انسان خود اپنا خدا ہے وہ جو چاہے کرسکتا ہے، ان کے قبضہ وقدرت میں ہر چیز ہے اکثر اہل اقتدار اسی منطق کی طرف مائل ہیں اوراس پر ان کا عمل ہے، بعض اطباء نے جب ’’کلوننگ‘‘ (ہمزاد بنانے میں) کامیابی حاصل کی، تو وہ سمجھے کہ وہ خود خدا ہیں۔

ان اہل طاقت وقوت اور سائنس دانوں کے یہ تصورات ونظریات دین اوراہل دین کے سامنے ایک چیلنج بن کر سامنے آئے، لیکن جلد ہی خالق ارض وسما کی قدرت وحکمت سے پیش آنے والے واقعات وحادثات نے ان کے ان دعووں کو طفلانہ خیال ثابت کردیا، اور دنیا کے سامنے ثابت ہوگیا کہ ان جھوٹے خداؤں کی مثال وہی ہے جس کو قرآن اس طرح بیان فرماتا ہے:

’’أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهِ أَنْ آتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ قَالَ أَنَا أُحْيِي وَأُمِيتُ قَالَ إِبْرَاهِيمُ فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ‘‘۔

(کیا تم نے نہیں دیکھا اس شخص کو جس نے ابراہیم (علیہ السلام) سے جھگڑا کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بادشاہت دی تھی، جب ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، وہ کہنے لگا میں بھی زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں (اوراس نے ایک شخص کو معاف کردیا اور دوسرے کو قتل کردیا) ابراہیم علیہ السلام نے کہا: کہ اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو تم مغرب سے نکال دو، تو وہ کافر مبہوت ولا جواب ہوگیا اوراللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا)۔

قرآن کریم نے اس طرح کے متکبرین و سرکشوں کے واقعات بیان فرمائے ہیں تاکہ عبرت حاصل کرنے والے عبرت لیں، سورہ قلم میں باغ والوں کا واقعہ بیان فرمایا کہ انھوں نے بڑے تکبر سے کہا کہ کل ہم صبح صبح باغ کو کاٹ لیں گے اوروہ اللہ کو بالکل بھول گئے خود کو قادر سمجھتے ہوئے گئے اور سرگوشی کرنے لگے کہ دیکھو اندھیرے اندھیرے میں کاٹ لو اور کوئی مسکین یتیم نہ آنے پائے، ادھر پہلے سے اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوگیا تھا اور کھیت بالکل اس طرح صاف ہوگیا کہ جیسے کاٹ دیا گیا ہو، انھوں نے جب اس کو دیکھا تو بولے شاید بھٹک کر دوسری جگہ آگئے ہیں لیکن جب غور کیا تو حقیقت سمجھ میں آگئی اور کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب آگیا ہے اور ہم محروم ہوگئے ہیں، اور پھر پچھتائے اور چارو ناچار اللہ کی طرف رجوع ہوئے اور بولے: ’’سُبْحَانَ رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ‘‘۔

بالکل بعینہ یہی حال آج کے انا ربکم الأعلیٰ کہنے والے متکبرین کا ہے، قرآن مجید آج ان کو یہ دعوت دیتا ہے کہ دیکھو تکبر سے باز آجاؤ ورنہ تمہارا انجام برا ہوگا، مسلسل رونما ہونے والے حادثات سے عبرت حاصل کرو اور ایک اللہ کی ذات پر ایمان لے آؤ، وہی مالک حقیقی ہے وہ اپنی ذات و صفات میں لاشریک ہے اپنے ارادے میں اور تدبیر میں مختار ہے، پوری کائنات اسی کے حکم کے ماتحت ہے وہ جو چاہے اور جب چاہے کرسکتا ہے: ’’إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ‘‘ اس کا معاملہ تو یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کو کرنا چاہتا ہے تو اس سے کہتا ہے ہوجا تو وہ ہوجاتی ہے‘‘ آج اسی حقیقت کو سمجھنے اور سمجھانے اور اس کے مطابق عبدیت وبندگی کی زندگی گزارنے اور اس کی دعوت دینے کی ضرورت ہے۔

☆☆☆☆☆

File F:\Graphic1.tif not found.

یادوں کے چراغ

حضرت مولانا محمد افتخار الحسن کاندھلوی رحمہ اللہ

ایک محترم اور بزرگ شخصیت

● ....حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

گذشتہ ماہ رمضان المبارک کے اختتام تک پہونچتے پہونچتے ایک عظیم القدر اور بزرگ شخصیت حضرت مولانا محمد افتخار الحسن کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے دنیاوی زندگی کو الوداع کہا' جنہوں نے قمری تقویم کے حساب سے اپنی زندگی کے سو سال بھی پورے کرلیے اور کارگذار اور عبادت گذار عالمِ دین، داعی، مصلح اور مربی کے طور پر اپنے وطن کاندھلہ میں رہتے ہوئے زندگی گزاری، اور اپنے اس مقام کو جوان کا مستقر تھا' نہیں چھوڑا؛ جب کہ انہیں اپنے معروف علمی و دینی خاندان اور اس خاندان کی بزرگ شخصیات کی نسبت سے محبوبیت اور مقبولیت حاصل تھی۔

حضرت مولانا محمد انعام الحسن کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ امیرِ جماعت تبلیغ کی وفات کے بعد حضرت مولانا محمد اظہار الحسن کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کو مرکز نظام الدین دہلی کو سرپرستی حاصل ہوئی تھی، اور ان کی وفات کے بعد حضرت مولانا محمد افتخار الحسن کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کو اس خاندان والا شان کے بڑے اور سرپرست ہونے اور حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی بانیٔ جماعتِ تبلیغ کے خصوصی تربیت یافتہ اور شاگرد اور حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی کے ماموں اور بزرگ خاندان ہونے کی وجہ سے یہ بات حاصل ہوئی تھی۔ ابتداء میں انہوں نے کچھ کچھ دن وہاں قیام کا نظام بھی بنایا تھا' مگر اپنے بعض اعذار اور مقامی مصلحتوں کی وجہ سے کاندھلہ کا ہی مستقل قیام جاری رکھا، اطراف و مضافات میں اسفار کرنے کی صورت میں بھی ان کی کوشش ہوتی کہ رات کا قیام کاندھلہ میں ہی رہے۔ دوآبہ کا علاقہ جو مظفر نگر اور اس کے اطراف کا علاقہ ہے' اور ہریانہ و پنجاب کا علاقہ ان کی خصوصی توجہ کا محور و مرکز رہا اور ان مساجد کو آباد کرنے کی بھی انہوں نے کامیاب کوشش کی جو تقسیمِ ملک کے بعد ہریانہ و پنجاب میں غیر آباد ہوکر ایسے ہاتھوں میں چلی گئیں تھیں جن کا استعمال بھی غلط ہونے لگا تھا۔ پانی پت ہریانہ میں جامع مسجد گنبدان کو انہوں نے ایک تربیتی مرکز بنادیا تھا' جہاں دور دور سے طالبانِ رشد و ہدایت' اصلاح و تربیت کے لیے آکر وقت بھی گذارتے۔ کاندھلہ میں اپنے خاندانی بزرگ مولانا محمد سلیمان کاندھلوی کی وقف کردہ زمین پر عیدگاہ سلیمانیہ کو مستقل آباد کرنے کے لے مدرسہ سلیمانیہ قائم کیا اور وہاں ایک جامع مسجد بھی تعمیر کرائی۔ اس کے علاوہ ان کی ایک فکر ان مقامات کی درستگی بھی رہی جو بزرگوں کے مقامات کے طور پر معروف تھے، اس میں پنجاب کے بعض مقامات خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ اپنے معروف دینی و علمی خاندان کے ایک صاحبِ علم و فضل فرزند اور معروف دینی درسگاہ مظاہر علوم سہارنپور کے ممتاز فاضل ہونے کے ساتھ جس کے بعد میں وہ سرپرست بھی ہوئے' خانقاہ رائے پور سے اپنا تعلق قائم کیا، حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری سے بیعت و ارادت کا مخلصانہ تعلق قائم کرکے راہِ سلوک کے مقامات طے کیے، اور اس سلسلہ میں رائے پور میں قیام کرکے بڑے مجاہدات و ریاضات بھی کیے' جو اپنے وطن کاندھلہ میں قیام کرکے بھی قائم و جاری رکھے اور کاندھلہ میں رہ کر اس کی اور اس کے اطراف و مضافات کی فکر کی، ان کا وہاں ایک علمی سلسلہ بھی تھا جو روز بعد نمازِ فجر اپنی خاندانی مسجد محلّہ مولویان میں درسِ قرآن کا تھا، اور جب تک صحت رہی' انہوں نے اس سلسلہ کو جاری رکھا جو ۵۲؍سال کا عرصہ ہے جس میں پانچ دور مکمل کیے اور آخری دور کی تکمیل میں بڑے علماء کو دعوت دی' جس میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنیؒ نے خصوصی طور پر شرکت فرمائی۔ اس کے ساتھ کتابوں کا انہیں بڑا ذوق تھا' حاصل تھا، اور اپنے کتب خانہ میں انہوں نے ان کتابوں کے ساتھ جو ان کو خاندانی ورثہ میں حاصل ہوئی تھیں' اپنے علمی ذوق سے اہم کتابوں کا اضافہ کیا، اور ان کی سرپرستی میں ان کے فاضل و لائق خلف اکبر مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی نے اس کو بہت ترقی دی اور اپنے خاندانی مورث حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلوی کی یادگار میں اکادمی کے طور پر متعارف کرایا، اور اس کا سہ ماہی ترجمان ''احوال و آثار'' کے نام سے نکالا' جس کی کئی خصوصی اشاعت وہاں کی اہم شخصیات کے متعلق سامنے آچکی ہیں۔

مولانا افتخار الحسن کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شیخ و مرشد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ کی اجازت و خلافت پر بیعت و

www.tameerehayat.com

ارشاد کا جو سلسلہ شروع کیا تھا' وہ آخر تک جاری رکھا اور بعض افرادِ خاندان اور حلقۂ ارادت کے ممتاز متوسلین کو اجازت وخلافت سے بھی سرفراز کیا، اور آخر میں اپنی صحت کی کمزوری اور مسلسل ضعف وعلالت کی وجہ سے اپنے خلفِ اکبر مولانا نور الحسن راشد صاحب کاندھلوی کی طرف لوگوں کو متوجہ کیا اور ندوۃ العلماء کی مجلسِ انتظامیہ کے رکن کی حیثیت سے بھی اپنی جگہ ان کو نامزد کیا جس کے وہ طویل مدت سے رکن چلے آرہے تھے اور اس کی مجلس میں شرکت بھی فرمائی تھی۔

حضرت مولانا افتخار الحسن کاندھلوی' کاندھلہ مظفر نگر میں جواب شاملی کا علاقہ ہے، ۱۱/ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۰ھ، ۱۰/جنوری ۱۹۲۲ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کاندھلہ میں اور پھر مدرسہ مرادیہ مظفر نگر میں اور اس کے بعد مظاہر علوم سہارن پور میں حاصل کی، اور ۱۳۶۳ھ میں وہاں سے دورۂ حدیث کی تکمیل کی اور مزید تعلیم کے لیے قیام اختیار کیا۔ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۵ھ سے رجب ۱۴۱۷ھ تک درسِ قرآن کا کاندھلہ میں سلسلہ رکھا' جس کے پانچ دور مکمل کیے، اور تربیتِ مریدین وافادۂ خلق کا دینی و علمی عمل تا عمر جاری رکھا، حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی سے تعلیمی و دینی استفادہ کے ساتھ ان کے دعوتی وتبلیغی کام میں ان کی سرپرستی میں حصہ لیا۔

جہاں تک ان کے علمی و اصلاحی رسائل و تصنیفات کا تعلق ہے' ان میں دروسِ تفسیرِ قرآن کریم، تفسیر المعوذتین، ذکرِ آخرت، حقیقتِ استغفار وذکر، حقیقتِ دعا، فضائل درود شریف، فضائلِ ذکر، اس کے علاوہ ردِ قادیانیت اور نس بندی کی حرمت وغیرہ پر بھی رسائل اور خطابات ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو اچھی اولاد سے بھی نوازا۔ تین صاحبزادگان: مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی، مولانا ضیاء الحسن صادق کاندھلوی، مولانا بدر الحسن کاندھلوی اور چار صاحبزادیاں ہیں، جن میں بڑی صاحبزادی حضرت مولانا محمد طلحہ کاندھلوی (صاحبزادہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ) کو منسوب ہیں، جن کی وفات کا صدمہ ان کو برداشت کرنا پڑا، اور باقی تینوں صاحبزادیاں مولانا محمد احترام الحسن کاندھلوی مرحوم، مولانا محمد حشیم عثمانی ناظم مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ اور مولانا سید محمد بن مولانا مفتی محمد یحیی سہارنپوری کو منسوب ہوئیں، اور سبھی احفاد واسباط بھی علم ودین کی راہ پر عامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ سبھی کو ان کے اسلاف کے طریقہ پر رکھے، اور ان کے ذریعہ بھی وہ فیض جاری رہے جو ان کے بزرگوں کا حصہ رہا ہے۔

حضرت مولانا مرحوم نے ۲۷/رمضان ۱۴۴۰ھ کو کاندھلہ میں اپنے مستقر پر وفات پائی۔ وفات کی خبر سنتے ہی محبت کرنے والوں اور عقیدت مندوں کا ازدحام ہوگیا اور راستے مسدود ہوگئے، اگلے دن صبح جنازہ کی نماز میں ایسا مجمع آیا جس کی نظیر کم ملتی ہے۔ انہی کے خاندان کے ایک محترم رکن مولانا محمد سعد کاندھلوی نے جو تبلیغی جماعت کے ذمہ دار ہیں اور ان کے خلیفہ بھی نمازِ جنازہ پڑھائی، اور اپنے خاندانی قبرستان میں اپنے جدِ اعلیٰ حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلوی کے پہلو میں مدفون ہوئے۔

رحمه الله تعالى برحمته للأبرار المقربين و أدخله فسيح جناته مع النبيين و الصديقين و الشهداء و الصالحين و حسن أولئك رفيقاً.

☆☆☆☆☆

اندازِ فکر کی تبدیلی

مولانا سید محمد الحسنی رحمۃ اللہ علیہ

ایک دوسری چیز جس کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ قرنِ اول اور اس کے بعد کی صدیوں میں بھی مسلمانوں کا یہ حال تھا کہ کوئی بڑا اقدام کرنے سے پہلے یا کسی غیر معمولی واقعہ اور نازک حالات میں جن میں مسلمانوں کے لیے بظاہر خطرہ نظر آتا، وہ پہلے اپنی طرف سے اطمینان کر لیتے پھر اس کے بعد گردوپیش کا جائزہ لیتے، وہ یہ دیکھتے تھے کہ ہم میں معصیت تو عام نہیں ہوگئی ہے، ہماری صفوں میں اختلاف وانتشار تو عام نہیں، ہمارے اندر حرص وطمع اور دنیا کی محبت تو پیدا نہیں ہوگئی ہے، اس طرف سے اطمینان ہوجاتا تھا تو ان کا تردد دور ہوجاتا تھا اور وہ محسوس کر لیتے تھے کہ: "اذن لا یضیعنا" یعنی پھر اللہ تعالیٰ ہم کو ضائع نہیں کرے گا۔

یہ اندازِ فکر وہ "شاہ کلید" ہے جس سے زندگی کا ہر قفل کھل سکتا ہے، ایک ایک چیز کے لیے فریاد کرنے دَردَر پر ہاتھ پھیلانے اور کس وناکس کی خوشامد کرنے سے بہتر یہ ہے کہ اپنے ایمان، اپنے اخلاص، اپنے عمل اور اپنی قربانی سے اس خدا کو راضی کرنے کی فکر کی جائے جس کے ہاتھ میں سب کچھ ہے اور جس کے حقیقی نام لیواؤں اور جس کے نبیؐ کے ادنیٰ غلاموں کا یہ حال ہے کہ دنیا کی بڑی سے بڑی سلطنت اور حکومتیں ان کے سامنے مٹی کے گھروندوں اور سنگریزوں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں۔ ☆☆☆

File F:\Graphic1.tif not found.

جودلوں کو فتح کرلے وہی فاتحِ زمانہ

● ....مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

اگر سورج کی چلچلاتی ہوئی دھوپ انسان کو بے چین کر رہی ہو تو اس وقت کوئی عقلمند انسان ہیٹر نہیں چلا سکتا، وہ اے سی اور ایئر کولر ہی میں اپنے لیے سکون تلاش کرے گا، اگر کہیں آگ لگ گئی ہو تو اس کو بجھانے کے لیے مزید آگ کے انگارے نہیں پھینکے جاتے، بلکہ آگ پر پانی ڈالا جاتا ہے، اسی طرح اگر ماحول میں ہر طرف نفرت کی آگ سلگا دی گئی ہو تو اسے محبت کی شبنم ہی سے بجھانا پڑے گا، اگر نفرت کا جواب نفرت سے دیا جائے تو نفرت بڑھتی جائے گی، موجودہ حالات میں امت کے لیے اس نکتہ کو سمجھنے کی ضرورت ہے، اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر برے سلوک کا جواب اچھے سلوک سے دوگے، تو دشمنی گہری دوستی میں تبدیل ہو جائے گی: ”اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَہٗ عَدَاوَۃٌ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ “۔[حم سجدہ:۳۴]

دنیا کے موجودہ ماحول میں مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ قرآن مجید کی اس ہدایت کو پیش نظر رکھیں، اور اپنی عملی زندگی کو اس کا نمونہ بنائیں۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ایمان کا رشتہ پوری دنیا کے مسلمانوں کو ایک دوسرے سے مربوط کرتا ہے، اور اس کو ایک ایسا آفاقی خاندان بنا دیتا ہے، جس کے تحت آنے والے افراد کی حیثیت ایک جسم کے مختلف اعضاء کی ہے، دنیا کے کسی کونے میں ایک مسلمان کسی مصیبت سے دوچار ہو تو ضروری ہے کہ دوسری انتہا پر بسنے والا مسلمان بھی اپنے دل میں اس کی ٹیس محسوس کرے، اگر ایک شخص اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے اور دوسرے مسلمان کی تکلیف اس کو رنجیدہ نہیں کرتی تو یہ اس کے ایمان میں نقص کی دلیل ہے، لیکن اسلامی اخوت کے ساتھ ساتھ ایک اور رشتہ انسانی اخوت اور بھائی چارہ کا بھی ہے، اس کا دائرہ اور بھی وسیع ہے اور پوری انسانیت کو شامل ہے، کیونکہ قرآن مجید نے ہمیں بتایا ہے کہ دنیا میں بسنے والے اور قیامت تک پیدا ہونے والے تمام انسان ایک ہی آدم وحوا کی اولاد ہیں، اس طرح پوری انسانیت ایک کنبہ ہے، اور ہر انسان دوسرے انسان کا بھائی ہے، فکر و عقیدہ، رنگ و روپ، شکل وصورت اور طاقت و صلاحیت کے ہزار فرق کے باوجود ایک ہی خون ہے، جو ان سب کے وجود میں دوڑ رہا ہے، اس رشتہ کو بھی ہمیں ہرگز فراموش نہیں کرنا چاہیے۔

شریعت کے بعض احکام ایسے ضرور ہیں جو مسلمان سے متعلق ہیں، جیسے کسی مسلمان لڑکے یا لڑکی کا نکاح کسی غیر مسلم سے نہیں ہو سکتا، مشرک کا ذبیحہ مسلمانوں کے حق میں حلال نہیں ہے، اسلامی عبادات مسلمانوں سے متعلق ہیں، نماز، روزے، مسلمانوں ہی پر فرض ہیں، کوئی غیر مسلم مسلمانوں کا امام نہیں ہو سکتا، زکوٰۃ مسلمان ہی سے لی جائے گی اور ان ہی پر خرچ کی جائے گی، حج کی عبادت مسلمانوں ہی پر فرض ہے، لیکن ان کے علاوہ بیشتر مسائل میں مسلم اور غیر مسلم میں فرق نہیں کیا گیا ہے، تعلیم وتعلم، خرید وفروخت، ملازمت و مزدوری، کرایہ داری، سماجی تعلقات وغیرہ میں مسلمان اور غیر مسلم یکساں ہیں، اسلام نے ایسی بھی کوئی پابندی نہیں رکھی ہے کہ مسجد و مدرسہ میں کوئی مسلم بھائی قدم نہ رکھے، عید و بقرعید کی خوشیوں میں ان کو تحفہ نہ پیش کیا جائے، اور افطار و ولیمہ میں ان کو مدعو نہ کیا جائے۔

جو کچھ فرق ہے، وہ عبادات اور پرسنل لاء میں ہے، اخلاق و معاملات میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان کوئی امتیاز نہیں ہے، سماجی اور معاشرتی تعلقات کی بنیاد معاملات ہیں اور محبت و الفت کی بنیاد اخلاق اور ان دونوں میں مسلمان اور غیر مسلم برابر ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ہی دونوں راستوں سے اپنے دشمنوں کے دلوں کو فتح کیا، معاملات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دیانت داری، پختگی اور وفاشعاری کا حال یہ تھا کہ آپ اہل مکہ کے تنگ کرنے یہاں تک کہ جان کے درپے ہو جانے کی وجہ سے مدینہ کے لیے روانہ ہو رہے ہیں، اس مکان میں آرام فرما ہیں، جس کے چاروں طرف بے نیام تلواریں نکلنے والے کا سر قلم کرنے لیے تیار ہیں، جذبۂ عداوت سے ہر سینہ معمور ہے، لیکن جاتے جاتے ان ہی خوں آشام دشمنوں کی امانتیں حضرت علیؓ کے سپرد کی جاتی ہیں کہ مکہ کے کفار ومشرکین کو واپس کردیں، عید غزوۂ بدر کے موقع سے جب مسلمانوں کی تعداد اپنے دشمنوں کے مقابلہ بہت کم ہے، ایک ایک سپاہی کی اہمیت ہے، دشمن کی فوج کی پشت کی طرف سے حضرت حذیفہ بن یمانؓ اور ایک صحابی آتے ہیں، وہ اہل مکہ نے ان سے وعدہ لے لیا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں شریک نہ ہوں گے، وہ وہاں سے بڑھ کر بارگاہِ اقدس میں حاضر

www.tameerehayat.com

File F:\Graphic1.tif not found.

ہوئے، آرزومند ہیں کہ کفر واسلام کی اس پہلی جنگ میں شرکت کی سعادت حاصل کریں، جبر و دباؤ کی بنیاد پر اہل مکہ سے کیے گئے وعدہ کو نظر انداز کردیں، لیکن ارشاد ہوا کہ تم اپنا وعدہ پورا کرو، ہمارے لیے اللہ کی مدد کافی ہے، کیا معاملات کی صفائی کی ایسی بھی مثال مل سکتی ہے؟

حسن معاملات ہی کا ایک مظہر یہ ہے کہ فاقوں سے دوچار ہیں: پیٹ پر دو دو پتھر باندھے ہوئے ہیں، دو دو مہینہ اس طرح گزر جاتا ہے کہ گھر میں چولہا سلگنے اور کھانا پکانے کی نوبت نہیں آتی، جس وقت وفات ہوئی، اس وقت بھی زرہ ایک یہودی کے پاس رہن ہے، یہ اس تاجدار نبوت کا حال ہے جس کی سلطنت جزیرۃ العرب کے حدود کو پار کر رہی ہے، اور مدینہ میں بڑے صاحب ثروت یہودی اور کتنے ہی دولت مند مسلمان موجود ہیں، اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اشارہ ہوجاتا تو طوعاً یا کرہاً یہ ساری دولت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں ہوتی، لیکن آپؐ نے کبھی انصاف کا دامن نہیں چھوڑا اور اپنے معاملات کو ہر طرح کے جبر و دباؤ اور بے جا تصرف سے دور رکھا، کبھی کسی قرض دار نے مطالبہ کیا اور مطالبہ میں سختی برتی تو اس کو بھی سہا، اور اگر آپؐ کے رفقاء کو اس پر ناگواری ہوئی تو آپؐ نے ان کو منع فرمایا اور کہا جو صاحب حق ہیں اس کو مطالبہ کرنے کا حق حاصل ہے: "ان لصاحب الحق مقالا" صاحب حق کے مطالبہ کا جواب ناراض ہونا نہیں ہے، بلکہ اس کا حق ادا کرنا ہے۔[ترمذی، حدیث نمبر: ۱۳۱۷]

مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ وہ اپنے معاملات میں اس اسوۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش نظر رکھیں، اس وقت صورت حال یہ ہے کہ بجائے اس کے کہ مسلمان کو ایک ایسا شخص سمجھا جائے، جس سے معاملہ کرنے میں رغبت ہو، اور جس کو لوگ کاروباری شرکت میں ترجیح دیتے ہوں، لوگ مسلمانوں سے معاملہ کرنے سے خوف کھاتے ہیں، مالک مکان ہو، تو کسی مسلمان کو کرایہ دار بنانا نہیں چاہتا، ٹیکسی والے غیر مسلم بھائی مسلمان محلوں میں سواری کرنے سے گھبراتا ہے کہ یہ وقت پر پیسہ ادا نہیں کرتے، گاہک ہے تو اس کو ان سے مال لینے میں ڈر محسوس ہوتا ہے، پتہ نہیں کس بات میں دھوکہ دے دے؟ بینکوں کا حال یہ ہے کہ وہ مسلمان محلّہ کے لوگوں کو قرض دینے میں احتیاط کرتے ہیں، میری قیام گاہ کے قریب ایک مسلمان تاجر نے ٹاٹا کا شوروم کھولا، ان کا بیان ہے کہ ٹاٹا کے جتنے شوروم ہیں، سب فائدے میں ہیں اور میں ہوں کہ غیر معمولی نقصان اٹھا رہا ہوں، کیونکہ یہ مسلم علاقہ ہے، بینک اس میں فائنانس کرنے کو تیار نہیں ہوتا، کیونکہ لوگ پیسہ ادا نہیں کرتے، اور پیسہ کے مطالبہ پر سختی برتی جائے تو غنڈہ گردی پر اتر آتے ہیں، اس سے قطع نظر کہ سودی فائنانس پر گاڑی لینی جائز نہیں ہے، یہ پہلو قابل غور ہے کہ برادرانِ وطن میں مسلمانوں سے متعلق عمومی تصور کیا ہے؟ اس طرح کی رایوں میں یقیناً پروپیگنڈوں کا بھی دخل ہوتا ہے، لیکن اس کے پیچھے ایک حد تک تجربات وواقعات بھی کارفرما ہوتے ہیں، جب تک ہم اپنے عمل کے ذریعہ اس تاثر کو تبدیل کرنے میں کامیاب نہ ہوں، ہم نفرت اور بے اعتمادی کی اس فضا کو ختم نہیں کر سکتے، اس لیے مسلمان تاجروں، گاہکوں، مکانداروں، اور کرایہ داروں، ڈاکٹروں اور انجینئروں، مختلف پیشوں سے تعلق رکھنے والے ماہرین اور ہنرمندوں، نیز معلموں اور طالب علموں، تعلیمی ادارے چلانے والوں، گورنمنٹ ملازمین اور پرائیویٹ اداروں کے خدمت گاروں، سیاسی قائدین اور سماجی کارکنوں کو اپنا اپنا احتساب کرنا چاہیے کہ برادران وطن کے ساتھ ان کے معاملات کیسے ہیں، کہیں ان کی بدمعاملگی پوری امت کو رسوا کرنے اور اسلام کو بدنام کرنے کا ذریعہ تو نہیں بن رہی ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صفا کی پہاڑی پر چڑھ کر اپنی نبوت کا اعلان کیا تو پہلے ان پر اپنی زندگی کو پیش فرمایا کہ میں نے تمہارے درمیان بچپن اور جوانی گزاری ہے اور چالیس سال بسر کیے ہیں، تم نے مجھ کو امانتدار پایا یا خیانت کرنے والا؟ اور سچا پایا یا جھوٹ بولنے والا؟ سبھوں کی زبان پر اس وقت ایک ہی جواب تھا کہ آپ سچے اور امانت دار ہیں؟ آپ نے ان کا مزید امتحان لیا اور دریافت فرمایا: اگر میں کہوں کہ اس پہاڑی کے پیچھے دشمن کی ایک فوج کھڑی ہے، جو تم پر حملہ کرنے والی ہے تو کیا تم اس کا یقین کرو گے؟ لوگوں نے جواب دیا: کیوں نہیں؟ آپ نے کبھی جھوٹ نہیں کہا: حالانکہ بظاہر حالات ایسے نہیں ہیں، مگر پھر بھی ہم آپ کی بات کو سچ ہی سمجھیں گے، [صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۳۵۵] آج اسی بات کی ضرورت ہے غیر مسلم محلّہ میں رہنے والے اور غیر مسلم بھائیوں سے کاروباری تعلق رکھنے والے مسلمان یہ کہنے کے موقف میں ہوں کہ میری زندگی تمہارے درمیان گزری ہے، کیا تم نے مجھے جھوٹ بولتے اور دھوکہ دیتے ہوئے دیکھا ہے؟ اگر ہمارا کردار اس سطح پر آجائے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ ہم نفرت کی اس مصنوعی دیواروں کو ڈھانے میں کامیاب نہ ہوں جو لوگوں کی طرف سے تعمیر کی گئی ہے، اور اسے مسلسل مضبوط اور اونچا کیا جا رہا ہے۔

www.tameerehayat.com

File F:\Graphic1.tif not found.

دوسرا قابل توجہ پہلو اخلاق کا ہے، یعنی سماجی زندگی میں ہمارا رویہ برادران وطن کے ساتھ خلوص ومحبت، ہمدردی وبہی خواہی اور مروت و رواداری کا ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اس کا شاہکار تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب نبوت عطا فرمائی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھبرائے ہوئے اپنے دولت کدہ تشریف لائے کہ اتنی بڑی ذمہ داری جو اللہ کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ڈالی گئی ہے، کیونکر اٹھائی جا سکے گی؟ اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سرد و گرم کی رفیق وفا شعار بیوی ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے عرض کیا: ''خدا کی قسم! اللہ ہرگز آپ کو ضائع نہیں کرے گا، کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، لوگوں کا بوجھ اٹھا لیتے ہیں، آپ محتاجوں کو روزگار سے لگاتے ہیں، مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں، اور مصیبت زدہ لوگوں کی مدد فرماتے ہیں''، [بخاری، حدیث نمبر:۳] یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کی بہترین تصویر ہے، جو خاندان کے ایک ایسے فرد کی زبان سے ہے، جنھوں نے دن کے اجالے میں بھی آپ کو دیکھا تھا، اور رات کے اندھیرے میں بھی، اور سکھ میں بھی، غربت وتنگ دستی میں بھی اور دولت وکشادگی میں بھی، حضرت خدیجہؓ نے یہاں آپ کے جس حسن سلوک کا ذکر فرمایا ہے، اس کا تعلق مسلمانوں سے نہیں غیر مسلموں سے ہے۔

نبوت کے بعد بھی غیر مسلم بھائیوں کے ساتھ آپ کا یہی حسن سلوک باقی رہا، مکہ فتح ہوتا ہے، دس ہزار جاں نثار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد پر وہ سب کچھ کر گزرنے کو تیار ہیں، جس کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خاندان کا بائیکاٹ کیا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جادوگر اور دیوانہ کہا تھا، قتل کے منصوبے بنائے تھے، آپ کے جاں نثاروں کو گرم ریت پر گھسیٹا، اور تپتی ہوئی دھوپ میں آگ کے انگاروں پر لٹایا تھا، لیکن آپ کی رحمۃ للعالمینی دیکھئے کہ آپ نے ان زخموں کو کرید کر اہل مکہ کو شرمسار بھی نہیں کیا، نہ سب وشتم کے دو چار جملے کہہ کر انہیں عبرت دلائی، یہاں تک کہ نگاہِ غضب سے ان کی طرف دیکھا تک نہیں، بس ایک ہی سوال فرمایا کہ: تم میرے بارے میں کیا امید رکھتے ہو؟ لوگوں نے بیک زبان عرض کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شریف بھائی ہیں اور شریف بھائی کے بیٹے ہیں: ''أنت أخ کریم و ابن أخ کریم'' یہ ان کی طرف سے آپ کی بلند اخلاقی اور رحمت بے پایاں کا اعتراف تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: آج میں تم سے وہی کہوں گا، جو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا کہ تم سب آزاد ہو، تم پر کوئی پکڑ نہیں: ''أنتم الطلقاء لا تثریب علیکم الیوم'' [السنن الکبریٰ، حدیث نمبر:۱۸۷۳۹] کاش! آج مسلمانوں کا ایسا رویہ ہو کہ وہ جس آبادی یا زندگی کے اخلاق کے بارے میں پوچھا جائے تو لوگ اس کے بارے میں کہیں کہ یہ ہم میں کا ایک شریف آدمی ہے اور اس کا رویہ بتاتا ہے کہ یہ مصنوعی طور پر شرافت کا لبادہ اوڑھے ہوا نہیں ہے، بلکہ یہ ایک شریف خاندان اور ایک شریف قوم کا فرد ہے۔

قرآن مجید نے صاف طور پر کہا کہ غیر مسلم تم سے برسر جنگ نہیں ہیں، اور جنھوں نے تم کو گھر سے بے گھر نہیں کیا ہے، تم کو ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنا چاہیے، اور انصاف برتنا چاہیے۔ [ممتحنہ: ۸] ان کا خون ہمارے ہی خون کی طرف قابل احترام اور ان کا مال بھی ہمارے ہی مال کی طرح قابل تحفظ ہے: ''ومائهم کدمائنا وأموالهم کأموالنا'' [نصب الرایہ: ج۴/ص۹۶، عن علیؓ] آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلموں کو اپنے یہاں مدعو فرمایا ہے، ان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت ولیمہ میں شریک ہونے کی خواہش کی ہے، غیر مسلم بھائیوں کی دعوت قبول کی ہے، ان کو اپنا مہمان بنایا ہے، غیر مسلم حضرات سے تجارتی تعلقات رکھے ہیں، انہیں اپنے گھر ہی نہیں، مسجد نبویؐ میں بھی ٹھہرایا ہے، غیر مسلم رشتہ داروں کی آخری رسومات میں اور جلوس جنازہ میں جانے کی اجازت دی ہے، صرف دعاء مغفرت سے منع کیا گیا ہے، فقہاء نے غیر مسلموں کی تعزیت کی اجازت دی ہے، اور اس کے لیے دلداری کے مناسب الفاظ لکھے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلموں کی عیادت فرمائی ہے، مختلف مواقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلموں کی مالی مدد فرمائی ہے، جب مکہ میں قحط پڑا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے مدینہ میں ریلیف جمع فرمائی اور پانچ سو دینار ان کے لیے بھیجے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلموں کے حق میں نہ صرف ہدایت کی دعا فرمائی، بلکہ اہل مکہ سے قحط کی مصیبت دور ہونے کی بھی دعا فرمائی، اگر غیر مسلموں کے کسی گروہ کے ساتھ ظلم و زیادتی ہوئی، اور وہ آپ سے مدد کا طلب گار ہوئے تو آپ نے ان کی مدد سے دریغ نہیں کیا، اگر کسی مسلمان یا غیر مسلم کا مقدمہ آپ کے پاس آتا تو آپ پورے عدل کے ساتھ فیصلہ فرماتے، چنانچہ بعض مقدمات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان فریق کے خلاف اور غیر مسلم فریق کے حق میں فیصلہ فرمایا، قرآن مجید نے غیر مسلم بھائیوں کے جذبات سامنے رکھتے ہوئے اس بات کا حکم دیا کہ ان کے

www.tameerehayat.com

File F:\Graphic1.tif not found.

مذہبی مقدسات کی بے حرمتی نہ کی جائے اوران کی دیویوں دیوتاؤں کو برا بھلانہ کہا جائے :”وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ “[الانعام: ۱۰۸]قرآن وحدیث میں جتنے اخلاقی احکام ہیں، جیسے غریبوں کی مدد، بڑوں کا احترام، چھوٹوں کے ساتھ شفقت ، پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک ، عورتوں کی عزت و ناموس کا احترام ، استہزاء سے بچنا، یہ سارے احکام مسلمانوں اور غیر مسلموں سے یکساں طور سے متعلق ہیں،ان میں مسلم اور غیر مسلم میں کوئی فرق نہیں ،اسلام کے اس آفاقی اور بنیادی تصور کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں ذکر فرمایا ہے:”الخلق عيال الله فأحب الخلق الى الله من أحسن الى عياله“ ۔[المعجم الاوسط للطبرانی،حدیث نمبر:۵۵۴۱،عن ابن مسعودؓ]

خدا کی مخلوق خدا کا کنبہ ہے اور اللہ کی مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اس کے کنبہ کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے، ملک کے اور دنیا کے موجودہ حالات میں یہ بات ضروری ہے کہ مسلمان برادران وطن کے سامنے اپنی اخلاقی برتری ثابت کریں ، اور دلوں کو فتح کرنے کی کوشش کریں، ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زر وزمین کو فتح کرنے کی کوشش نہیں کی، بلکہ دلوں کو جیتا اور دماغوں کو فتح کیا، ہمارے لیے بھی مشکلات سے نکلنے کا یہی راستہ ہے ، اگر ہم برادران وطن کے ساتھ اپنے معاملات کو درست کرلیں اور اپنے اخلاقی رویہ کو اسوۂ نبویؐ کے ڈھانچے میں ڈھال لیں تو نا امیدی و نامرادی کی اس رات کی صبح ضرور ہوگی:

شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے

☆☆☆☆☆

تعلیم وتربیت

بچوں پر نیک والدین کے اثرات

● ....مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی

ہماری ماؤں اور بہنوں کو یہ بات اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ ان کی عادتوں ، خصلتوں ،طرزِ زندگی اور گفتگو کے اثرات لازمی طور پر بچوں کے معصوم دل ودماغ میں پرورش پاتے ہیں اور دھیرے دھیرے ان میں پختگی آتی جاتی ہے، اگر مائیں اور بہنیں خود نیک ہوں گی او ان کی نگاہ اور دل پاک ہوں گے،ان کی زندگی صاف ستھری ہوگی، اوران کے اعمال اچھے ہوں گے تو یقیناً بچے بھی ایسے ہی پاک وصاف اور اچھے ہوں گے اور وہ قوم وملت کا سرمایہ ہوں گے۔

ان ہی اچھی ماؤں نے بڑے بڑے علماء، اسلام کے سپاہی اور ملت اسلامی کے لیے قابل فخر فرزند دیے جن سے اسلام کی دینی وعلمی تاریخ آج تک روشن ہے،اوران میں سے ہر ایک کی حیثیت منارۂ نور کی ہے،اوران ممتاز افراد کی فہرست اگر بنائی جائے تو قلم کی روشنائی خشک ہوجائے گی اور سب نام تحریر میں نہ آسکیں گے۔

یہ سلسلہ صدیوں تک چلا اور جب تک اسلام کے اصولوں پر ہماری مائیں چلتی رہیں، ایسے روشن ستارے پیدا ہوتے رہے لیکن جب سے اسلامی تہذیب کی جگہ مغربی تہذیب نے لی اور بداخلاقی و بے حیائی کا طوفان اپنے ساتھ لائی، فحش لٹریچر، عریاں کتابیں، ناول اور افسانے گھروں میں داخل ہوئے تو انھوں نے قلب ودماغ کی معطر دنیا کو اُلٹ کررکھ دیا،اور دین کے بجائے بے دینی، حیا کے بجائے بے حیائی و بے شرمی، اللہ کے ذکر کے بجائے دنیا کی فکر، ایمانداری کے بجائے بے ایمانی اور حرص وہوس نے ڈیرے ڈال دیے۔

آج حالت یہ ہے کہ صبح کے وقت مسلمان محلوں سے گزریں تو جہاں پہلے گھر گھر سے تلاوت قرآن مجید کی آواز آتی تھی وہاں فلمی گانوں کی صدائیں آتی ہیں اور جہاں ذکرِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوتا تھا وہاں اب ہر وقت دولت کی باتیں ہوتی ہیں،اس کے بعد بھی ہم اپنی اصلاح فکر کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی رحمت نہ آنے کا شکوہ کرتے رہتے ہیں، خدا کے لیے اللہ طرف لوٹو اور شیطان سے منہ موڑو۔

☆☆☆

www.tameerehayat.com

دعوت واصلاح

توبہ واستغفار میں جلدی کیجیے!

مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ

توبہ کا دروازہ اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لیے کھول رکھا ہے، خواہ وہ بڑی قیامت ہو یا چھوٹی قیامت، بڑی قیامت کا مطلب یہ ہے کہ جب سورج مغرب سے طلوع ہوجائے گا تب توبہ کا دروازہ بند ہوجائے گا اور اسی طرح چھوٹی قیامت سے مراد یہ ہے کہ جب انسان کی سانس آخری مرحلہ میں ہوجائے گی اس وقت بھی توبہ کا دروازہ بند ہوجائے گا، معلوم ہوا اس سے پہلے پہلے توبہ کرنا ہے، دراصل توبہ کے معنی رجوع کرنے کے ہیں، یعنی انسان گناہوں کو چھوڑ کر طاعتوں کی طرف آجائے، برے کاموں کو چھوڑ کر اچھے کاموں کی طرف آجائے، غیر اللہ کو چھوڑ دے اور اللہ کی طرف آجائے، اس کو توبہ کہا جاتا ہے، اور دوسرا لفظ ہے استغفار، استغفار عربی میں کسی چیز کے ڈھانکنے کو کہتے ہیں، اسی لیے عربی میں ''مغفر'' خود کو کہتے ہیں جو کہ سر کو ڈھانک لیتا ہے، اور اس کی وجہ سے سر پر کوئی تیر وغیرہ نہیں لگ سکتا ہے، اسی طرح استغفار کے معنی بھی غفر کے ہیں یعنی ڈھانک دینا، اور ڈھانکنے کا مطلب یہ ہے کہ جو بھی عیب ہو اس کو چھپا دیا جائے، اگر کوئی کمزوری ہو اس کو دبا دیا جائے، کوئی لغزش ہے اس کو چھپا دیا جائے، اور اسی طرح کوئی بھی ایسی چیز جو دوسروں کی نظر میں کھٹکنے والی ہے، خود اپنی ہی نظر میں اس کو ختم کردیا جائے، چھپا دیا جائے اسی کو استغفار کہتے ہیں، اور یہ معاف کرنا اور گناہوں کا چھپانا اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے، اور کسی کے بس میں نہیں ہے۔

توبۃ النصوح

"یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا تُوبُوا إِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوحاً" [التحریم:۸] (اے مومنو! توبہ کرو اللہ کی طرف رجوع کرو اور توبہ بھی سچی و پکی کرو)۔

معلوم ہوا اس کے اندر بھی ندامت مطلوب ہے، اور اس ندامت کے بعد دل میں یہ عزم ہونا چاہیے کہ اب کوئی گناہ نہیں کرنا ہے، لیکن اگر دوبارہ کوئی غلطی سرزد ہوجائے تو یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ اب کیا ہوگا بلکہ بار بار توبہ کرتے رہنا چاہیے، کیونکہ اللہ کی رحمت تو اس کے گناہوں سے کہیں زیادہ ہے، اور توبہ کرنے میں کوئی تفریق نہیں ہے، اس لیے ہر شخص کو توبہ کرنی چاہیے، مگر شرط یہ ہے کہ اس کی توبہ سچے دل سے ہو، زبانی توبہ نہ ہو، کیونکہ زبانی توبہ صرف بیوقوف بنانا ہے، البتہ اگر ظاہر میں آدمی کرتا ہے اور اندر سے تھوڑی بھی ندامت ہے تو اللہ اس کی توبہ کو قبول فرمالے گا، اس لیے ہم سب کو اس سلسلہ میں بہت چوکنا رہنے کی ضرورت ہے کہ کہیں گناہ کرتے کرتے ایسا نہ ہو کہ پہلے ہمارا دل سیاہ ہو یہاں تک کہ چہرہ بھی سیاہ ہوجائے، اور اس سے بچنے کے لیے اللہ والوں کے چہروں کو بھی دیکھتے رہنا چاہیے، کیونکہ ان کے چہروں سے ایک نورانیت پھوٹتی ہے، اس لیے کہ ان کے دل کی رونق باہر آرہی ہوتی ہے، ان کے اندر ایک نور ہوتا ہے جو ان کے چہرہ پر چمک رہا ہوتا ہے، لیکن اگر کسی کا دل اس کے بداعمالیوں کے نتیجہ میں سیاہ ہوتا ہے تو اس کے چہرے پر بھی اتنی ہی بے رونقی نمایاں ہوتی ہے، معلوم ہوا اصل معاملہ انسان کے دل کی اصلاح کا ہے۔

رحمت الٰہی

یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا کرم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے توبہ کا دروازہ کھلا رکھا ہے، ورنہ گناہ کے بعد آدمی کسی کام کا نہ رہ جاتا، یہاں تک کہ اپنا منھ دکھانے کے قابل بھی نہ رہ جاتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے توبہ کا دروازہ کھول کر ہم کو وہ مقام عطا فرمادیا ہے کہ ہم اس کے ذریعہ سے اس جگہ پہنچ سکتے ہیں جہاں سے ہم چلے تھے، اسی لیے اللہ نے توبہ کے واسطہ ایسی راہ ہموار کردی ہے کہ وہ رات کو اپنا دست دراز کرتا ہے تاکہ دن کا گناہ گار توبہ کرلے، اور کہتا ہے کہ کوئی چاہے تو آجائے، رب العالمین کا دروازہ کھلا ہوا ہے، اسی طرح رات کو گناہ ہوئے تو دن میں بھی اس کا دروازہ کھلا ہوا ہے، معلوم ہوا کہ بندہ کو کبھی بھی مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ مایوس ہونا کفر ہے، جو کہ دراصل شیطانی حرکت ہے کہ ایک تو شیطان نے انسان سے گناہ کبیر کروایا پھر اس کو مایوس بھی کردیا، جو کہ مزید گناہ ہے، اس لیے مایوسی کبھی بھی اختیار نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اللہ کی رحمت اتنی زیادہ ہے کہ بڑے سے بڑا گناہ بھی ایک منٹ میں ختم ہوجائے گا، اور انسان ایسا پاک صاف ہوجاتا ہے جیسا کہ کسی کی گاڑی میں کوئی کھرونچ لگ جائے اور وہ عمدہ پینٹ کرالے جس کے بعد یہ بھی معلوم نہ ہوسکے کہ یہاں کوئی کھرونچ تھا۔

عام غلطی

آج کل عموماً ایک بات اور کہتے ہیں کہ ''میں گناہ گار ہوں'' جو کہ نہایت لغو بات ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ گویا آپ کو گناہ پسند ہیں، البتہ یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ اے اللہ! مجھے اپنے گناہوں کا اعتراف ہے، کیونکہ اللہ کے حضور میں ایسا کہنا سنت نبوی بھی ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: "المقر المعترف بذنوبی" یعنی میں گناہوں کا اعتراف کرتا

ہوں، معاف فرمادیجیے، میں بالکل عاجز ودرماندہ ہوں،لیکن فخریہ انداز سے کہنا غلط بات ہے، کہ ایمان ہونے کے باوجود بھی آدمی اس طرح کہے،البتہ دل میں ضرور سمجھتے رہنا چاہیے کہ ہم گناہ گار ہیں۔

توبہ کرنے والا گناہ گار سب سے بہتر

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كُلُّ (ابْنِ آدَمَ) خَطَّاءٌ، وَخَيْرُ الْخَطَّائِيْنَ التَّوَّابُوْنَ. [رواہ الترمذی](حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمام بنی آدم خطاوار ہیں، خطاواروں میں سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو توبہ کرتے رہتے ہیں)۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو خطا والا بنایا ہے، اس لیے کوئی انسان خطا سے خالی نہیں ہے، اسی لیے فرمایا گیا:"کلکم خطاؤون وخیر الخطائین التوابون" یعنی تم سب کے سب خطا کرنے والے ہو لیکن تم میں اچھے خطا کرنے والے وہ ہیں جو توبہ کرنے والے ہیں، معلوم ہوا لغزش تو ہر ایک سے ہوگی، کوئی ایسا نہیں ہے جس سے لغزش یا خطا نہ ہو، ہر ایک کی اپنے اپنے اعتبار سے لغزش ہوتی ہے، جیسے بڑے گناہ کرنے والے، پھر چھوٹے گناہ کرنے والے، پھر عملی گناہ کرنے والے، پھر عقلی گناہوں والے، اور بڑے اور چھوٹوں میں فرق یہ ہے، کہ بڑوں کے گناہ عملی نہیں ہوتے یا بہت کم ہوتے ہیں، ان کے گناہ زبان وجسم سے نہیں ہوتے لیکن خیالات میں آجاتے ہیں، ذہنوں میں اس طرح کی چیزیں آجاتی ہیں، اور اس پر پکڑ نہیں ہے، کیونکہ جب تک برے خیالات کسی انسان کے دماغ میں رہیں، وہ عمل میں وزبان پر نہ آئیں اور آدمی ان سے گھبراتا رہے اور ان پر ندامت حاصل رہے تو اس پر پکڑ نہیں، لیکن اگر یہی خیالات انسان کے زبان وعمل میں آجائیں تو اس پر پکڑ ہوگی، اسی لیے بڑوں اور چھوٹوں میں یہ فرق ہے کہ بڑوں کو مشکل سے برا خیال آتا ہے لیکن آتا ہے تو ندامت ہوتی ہے، لیکن عموماً بڑوں کو بھی اس طرح کے خیالات آجاتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بنایا ہی اس طرح ہے کہ اس طرح کے خیالات کبھی کبھی اس کو آجاتے ہیں، یہاں تک کہ صحابہ کرام بھی فرمایا کرتے تھے کہ بعض ایسے خیالات آتے ہیں کہ ایسا لگتا ہے ہم جل کر کوئلہ ہوجائیں تو بہتر ہے لیکن ہم اس کو بیان نہ کریں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر جو دماغ رکھا ہے اس کی حیثیت سڑک کی ہے، یا جی ٹی روڈ کی طرح ہے جس پر سب سواریاں چلتی ہیں، لہٰذا اس کے لیے ضروری یہ ہے کہ یہ سب سواریاں گزر جائیں بیچ میں نہ رکیں، کیونکہ رکنے میں جام لگ جائے گا، اور اگر جام لگے گا تو نقصان بھی ہوگا، اس لیے خیال آئے اور چلا جائے یہ درست ہے، اور اس پر مزید یہ ہو کہ انسان کو اس پر مستقل ندامت ہوتی رہے، کیونکہ جس قدر انسان کو ندامت ہوگی اتنا ہی وہ اللہ والا ہوگا، اسی لیے جتنے اللہ والے ہوتے ہیں ان کو ندامت وشرمندگی بھی بے انتہاء ہوتی ہے۔

ندامت کا مفہوم

ندامت کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو اپنے گناہ نظر آئیں اور اپنی خرابیاں وعیب اس کو دکھائی دیں ورنہ انسان کو اللہ نے کچھ ایسا بنایا ہے کہ اپنے اوپر اس کی نظر پڑتی نہیں ہے بلکہ دوسروں پر پڑتی ہے، جیسے انسان چہرہ اپنا نہیں دیکھتا ہے بلکہ دوسروں کا دیکھتا ہے، ایسے ہی انسان اپنے عیب نہیں دیکھتا بلکہ دوسروں کے عیب ضرور دیکھتا ہے، حالانکہ اگر کوئی اپنے آپ کو دیکھنے لگے تو اسی وقت وہ کہیں سے کہیں پہنچ جائے گا، یعنی اس کا مقام غیر معمولی بلند ہوجائے گا، اور گھمنڈ، تکبر، انانیت جیسی تمام بیماریاں ختم ہوجائیں گی، کیونکہ ان بیماریوں کی جڑ یہی ہے کہ انسان اپنے کو نہیں دیکھتا ہے، اور اگر اپنے کو دیکھ لے گا تو غیروں پر نظر ہی نہیں پڑے گی، اور اس کے بعد گھمنڈ اور انانیت کے آنے کا بھی سوال ہی نہیں ہے، حضرت مولانا احمد صاحبؒ نے کہا تھا:

کھل گئی جب سے چشم بصیرت
اپنی نظر میں خود گر گئے ہم

دراصل یہی حقیقت بھی ہے کہ جب انسان کی نگاہ اپنے اوپر پڑنے لگتی ہے تو دوسرے کو کیا دیکھے گا کیونکہ اس کے بعد وہ یہی سوچے گا کہ دن رات میں خود اتنے گناہ کرتا ہوں، دوسروں کے گناہوں کو کیا دیکھوں؟ لہٰذا اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کے اندر سے تکبر، گھمنڈ اور اترانا بھی ختم ہوجائے گا، لیکن ایسا نہیں ہے تو جو جتنا چھوٹا ہوگا اتنا ہی اس کے اندر گھمنڈ ہوگا، کیونکہ اس کو خود اپنی نظر سے اپنا عیب نظر نہیں آتا، اس لیے اپنے کو دیکھنے کی مشق کرنی چاہیے، اور جب اس کے اندر ندامت کی کیفیت پیدا ہوجائے گی تو اس کی علامت یہ ہوگی کہ وہ کبھی تکبر نہیں کرے گا کیونکہ نادم آدمی کبھی متکبر نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ ندامت اور تکبر میں تضاد ہے، یہ دونوں ایک ساتھ نہیں ہوں گے، اسی لیے روایت میں آتا ہے:" الندم توبة" یعنی ندامت سراپا توبہ ہے، اسی لیے توبہ کے شرائط میں ندامت کا ہونا اہم ترین چیز ہے، جیسے کہ فرمایا گیا:"الحج عرفة" یعنی حج کے اندر وقوف عرفہ اصل ہے، ایسے ہی اصل توبہ ندامت ہے، زبانی کرنا نہیں اصل نہیں ہے۔

ندامت کی شرط

علامہ سید سلیمان ندویؒ کے توبہ کی حقیقت پر چند اشعار بھی ہیں، جس میں بتایا گیا ہے کہ توبہ اس

کا نام نہیں کہ انسان زبان سے کہتا رہے، یہ سب زبانی ہے، اس سے کچھ حاصل نہیں، بلکہ اصل توبہ ندامت کا نام ہے، اور ندامت اسی وقت ہوگی جب انسان کو اپنے عیب نظر آنے لگیں، ورنہ ندامت نہیں ہوسکتی، اور یہ انسان پر اللہ کا فضل ہوگا کہ اس کو اپنے عیب نظر آنے لگیں، ورنہ عموماً اپنے منھ کو کوئی نہیں دیکھ پاتا ہے، الا یہ کہ انسان کے سامنے آئینہ موجود ہو، اسی لیے محاورہ بھی بولا جاتا ہے کہ اونٹ جب پہاڑ کے نیچے آتا ہے تب اس کو معلوم ہوتا ہے کہ مجھ سے بھی بڑا کوئی ہے، تو اسی لیے بڑوں کے ساتھ رہنا چاہیے تاکہ ان کے پاس رہ کر یہ معلوم ہوسکے کہ ہم خود کیا ہیں؟ اور ہماری کیا حیثیت ہے؟ جیسا کہ ایک شخص وہ ہے جو بہت نمازیں پڑھ رہا ہے، روزے بھی رکھ رہا ہے، لہٰذا جب ایسے شخص کے ساتھ ہم رہیں گے تو ہم کو اپنی نمازوں کا حال معلوم ہوجائے گا، کہ کتنی حد تک درست ہیں؟ اسی لیے اصل استغفار یہی ہے کہ انسان اپنے گناہوں پر نظر رکھے، اور دوسروں کے گناہوں کو دیکھنا چھوڑ دے، کیونکہ آج کل اسی مرض میں پورا معاشرہ الجھا رہتا ہے، اور اپنے کو کوئی نہیں دیکھتا ہے، لیکن جب آدمی اپنے اندر کو دیکھنے کا عادی ہوجاتا ہے تو باہر کچھ نہیں دیکھے گا، اور اگر بالفرض کسی کے اوپر نظر جاتی بھی ہے تو فوراً وہاں سے اس کی نظر چھوٹ جاتی ہے، سوائے یہ کہ کسی کی اصلاح مقصود ہو، لیکن اصلاح بھی آئینہ کی طرح کرنا چاہیے، جیسے ایک آئینہ خاموشی سے انسان کے داغ دھبوں کو دکھا دیتا ہے جو اس کے سامنے کھڑے ہو کر دیکھتا ہے، اور وہ انسان خاموشی کے ساتھ اس کو ٹھیک کرلیتا ہے۔

رحمت و ندامت

اسی طرح اگر کوئی بندہ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ غفار وہی ہے، معاف کرنے والی ذات صرف خدا ہی کی ہے، اور جب آدمی اپنے گناہوں پر نظر کرتا ہے اور مانگتا رہتا ہے تو اس کی رحمت جوش مارتی ہے جس کی حیثیت ایسی ہی ہے کہ کوئی شخص ہزار گناہ کرکے آئے، لاکھوں گناہوں میں ڈوب کر آئے تب بھی اس کے لیے اللہ کی ایک رحمت کا چھینٹا ہی کافی ہے، کیونکہ اس کی رحمت سمندروں سے بڑھ کر ہے، اسی لیے جس طرح اپنے اوپر ندامت ہونی چاہیے ویسے ہی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہونی چاہیے، کیونکہ یہ دونوں چیزیں بالکل لازم ملزوم ہیں، لہٰذا اگر کوئی شخص ندامت کے ساتھ، دل سے مانگے تو ضرور ملے گا، کیونکہ اللہ بخوبی جانتا ہے کہ بندہ شرم کی وجہ سے آنسو بہا رہا ہے، اسی لیے ایسے دو آنسو بھی سمندر سے بڑھ کر بتائے جاتے ہیں لیکن اگر کوئی شخص صرف زبان ہی سے کہہ رہا ہے لیکن دل میں احساس ندامت کچھ بھی نہیں ہے، تو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا، البتہ دلی احساس ہو تو اللہ تعالیٰ معاف کرتا چلا جائے گا، اسی لیے ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بندہ جس سے بار بار گناہ ہوتا ہے اور وہ بار بار روتا ہے اور اس کے رونے کی ادا پسند ہوجاتی ہے تو وہ اللہ کا محبوب ہوجاتا ہے، اس لیے کہ جب ندامت جوش مارتی ہے تو وہ روتا ہے جس سے خدا کا محبوب ہوجاتا ہے، لہٰذا معلوم یہ ہوا کہ ہر وقت معافی مانگنی چاہیے۔

حضور اکرم کا استغفار

سید العالم امام الانبیاء والمرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ بخشے بخشائے ہیں، سارے مقاماتِ بلند طے کیے ہوئے ہیں، لیکن ان کے متعلق بھی حدیث میں آتا ہے کہ آپ ایک ایک مجلس میں ستر ستر مرتبہ استغفر اللہ کہتے تھے، اور خود آپ ﷺ نے فرمایا: میں دن میں سو سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں، حالانکہ اگر دیکھا جائے تو آپ کو اس کی کیا ضرورت تھی؟ لیکن چونکہ آپ کا جتنا اونچا مرتبہ ہے اسی اعتبار سے آپ انبیاء کے گروہ میں رہ کر اپنے کو دیکھتے تھے، لہٰذا اسی اعتبار سے عبادت بھی کرتے تھے، کیونکہ آپ ﷺ نے اپنے بارے میں ارشاد فرمایا: میرے دل پر بھی کبھی کبھی کچھ اثر محسوس ہوتا ہے، جس کو یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ جب کوئی شخص گندی جگہ سے گزرتا ہے تو اس کو بھی بدبو لگتی ہے جس سے وہ کبیدہ خاطر بھی ہوتا ہے، اسی طرح چونکہ آپ کے پاس کفر و شرک والے آتے ہیں اس لیے آپ کے پاکیزہ دل پر بھی اس کا اثر پڑتا تھا۔

بزرگوں کا استغفار

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے پاس ایک مرتبہ پاریکھ صاحب نے خط لکھا جس میں یہ بھی تھا کہ غیر مسلموں سے بہت ملنا پڑتا ہے، تو مولانا نے فرمایا: اس کے اثرات بھی دل پر پڑتے ہیں، اس لیے آپ کو مناسب ہوگا کہ وقتاً فوقتاً کسی جنگل کی مسجد میں چلے جایئے وہاں خلوت میں اللہ سے دعائیں مانگئے تاکہ دل پر جو گندے اثرات پڑ گئے ہیں ان سے نجات مل جائے۔

اس تناظر میں اگر ہم لوگ اپنی زندگیوں کا جائزہ لیں تو ہمارا اٹھنا بیٹھنا صبح سے شام تک غلط لوگوں کے پاس ہی رہتا ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خود غلط ہوجاتے ہیں، اور بری بات کو برا نہیں سمجھتے، برے لوگوں کے پاس بیٹھتے بیٹھتے ہم پر ان کے اتنے اثرات پڑ جاتے ہیں کہ ہم کو ندامت ہوتی ہی نہیں ہے، برا لگتا ہی نہیں ہے، تو برے کو برا ہم کیسے مانیں گے؟ ندامت کیسے ہوگی؟ یہاں تک کہ آج کل عموماً ایک جملہ یہ بھی بولا جاتا ہے کہ صحابہ کرام بھی گناہ کرتے تھے، اور اس بات کو آسانی سے کہہ دیا جاتا ہے، حالانکہ یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے، جس سے ایمان جاتا رہتا ہے، کیونکہ جو ہندو مذہب

والے اور یہودی لوگ ہیں ان کی غلطی یہی ہے کہ انہوں نے اپنے گناہوں کو معتبر بنانے کے لیے،اس کے اندر بڑوں کو بھی مبتلا کردیا کہ وہ بھی ایسا کرتے تھے، یہود کے بارے میں قرآن مجید نے کہا:"وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ "[البقرۃ:۱۰۲]یعنی حضرت سلیمان نے کفر نہیں کیا،اسی طرح یہود کے حالات دیکھے جائیں تو معلوم ہوگا کہ انہوں نبیوں کے تعلق سے ایسی ایسی کہانیاں بنا رکھی ہیں جن کا صدور انبیاء کی ذات سے سرزد ہونا ہی بعید از قیاس بات ہے،لیکن چونکہ اپنے کو دھلا ہوا ثابت کرنا تھا اور اپنے گناہوں کو معتبر ثابت کرنا تھا اس لیے ان پر الزام لگادیا،اور بالکل یہی ہندوؤں نے بھی کیا۔

برکات کا نسخہ

غرض کہ معلوم یہ ہوا کہ انسان کو اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھتے رہنا چاہیے اور دوسروں پر انگلیاں نہیں اٹھانا چاہیے، بلکہ احساس ندامت ہر وقت دل میں رہنا چاہیے، اور اللہ سے دعا مانگتے رہنا چاہیے کیونکہ اللہ ہر انسان کے قریب ہے،ایک بزرگ کے پاس ایک صاحب آئے،اور عرض کیا:حضرت دعا فرمادیجیے!بارش نہیں ہوتی، بزرگ نے جواب دیا: استغفار پڑھو، اسی طرح دوسرے شخص نے کہا:دوکان نہیں چلتی،فرمایا:استغفار پڑھو، تیسرے نے کہا:اولاد نہیں ہوتی،فرمایا:استغفار کرو، لہٰذا جب سب چلے گئے تو کسی نے ان بزرگ سے پوچھا: آپ نے سب کو ایک ہی نسخہ بتایا،تو بزرگ نے جواب دیا:اللہ نے بھی یہی بتایا ہے:"فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّاراً، يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُم مِّدْرَاراً،وَيُمْدِدْكُم بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَل لَّكُمْ جَنَّاتٍ وَيَجْعَل لَّكُمْ أَنْهَاراً " [النوح:۱۰-۱۲]یعنی میں نے کہا اپنے پروردگار سے مغفرت چاہو، بے شک وہ بڑا بخشنے والا ہے،وہ تم پر کثرت سے بارش بھیجے گا،اور تمہارے مال و اولاد میں ترقی دے گا، اور تمہارے لیے باغ لگا دے گا،اور تمہارے لیے دریا بہادے گا۔معلوم ہوا استغفار کی حقیقت یہ ہے، کہ اگر کوئی شخص اس کی پابندی کرلے تو اس کے گھر کے سارے مسائل حل ہوجائیں گے، کیونکہ پریشانیاں گناہوں کے نتیجہ میں آتی ہیں۔

گناہ دل کو سیاہ کرتا ہے اور توبہ دل کو صاف

عَنْ أَبِى هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: انَّ الْعَبْدَ اذَا أَخْطَأَ خَطِيْئَةً نُكِتَتْ فِىْ قَلْبِهٖ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ، فَاذَا هُوَ نَزَعَ وَاسْتَغْفَرَ وَتَابَ سُقِلَ قَلْبُهُ، وَانْ عَادَ زِيْدَ فِيْهَا حَتّٰى (تَعْلُوَ) قَلْبُهُ، وَهُوَ الرَّانُ الَّذِىْ ذَكَرَ اللّٰهُ:"كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَى قُلُوبِهِم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ ".[جامع ترمذی](حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بندہ کوئی غلطی کرتا ہے تو یہ غلطی اس کے دل پر ایک کالا دھبہ ڈال دیتی ہے، پھر جب وہ غلطی سے باز آجاتا ہے اور استغفار کرتا ہے اور توبہ کرتا ہے تو اس کا دل صاف ہوجاتا ہے،اور اگر پھر غلطی کرتا ہے (اور توبہ کی توفیق نہیں ہوتی) تو دل کی سیاہی بڑھتی جاتی ہے، حتی کہ دل پر چھا جاتی ہے، یہی ''ران'' کہلاتا ہے، جس کے متعلق قرآن مجید میں آیا ہے:"كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَى قُلُوبِهِم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ "دیکھو یہ جو (اعمال بد) کرتے ہیں،ان کا ان کے دلوں پر زنگ بیٹھ گیا ہے۔[ترمذی]

معلوم ہوا کہ آدمی کی پکڑ اس کے گناہ کی پاداش میں ہوتی ہے،اور اس گناہ کے نتیجہ میں دل پر سیاہ نکتہ لگ جاتا ہے، لہٰذا اس سے توبہ کرلینا چاہیے،تو وہ کالا نکتہ دھل جائے گا، ورنہ وہ بڑھتا چلا جائے گا،لیکن اگر اس نے توبہ نہیں کی بلکہ گناہ کرتا گیا تو اس کا پورا دل سیاہ ہوجائے گا، یہاں تک کہ اس کا دل پتھر کی سل کے مانند ہوجائے گا، پھر اس کو نہ باہر سے کوئی اثر پڑے گا،نہ ہی اندر اس کا دل پسیجے گا، بلکہ وہ غلط کاموں میں ہی لگا رہے گا،لہٰذا ہر شخص کو استغفار کی پابندی بہت ضروری ہے، اس لیے سو دفعہ استغفار کرنا سنت ہی ہے، تاکہ اللہ کی رحمت نازل ہو۔

توبہ باعث خیر وبرکت

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ لَزِمَ الْاسْتِغْفَارَ جَعَلَ اللّٰهُ لَهُ مِنْ كُلِّ ضِيْقٍ مَخْرَجاً، وَمِنْ كُلِّ هَمٍّ فَرَجاً، وَرَزَقَهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ .[سنن ابوداؤد](حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص استغفار میں پابندی کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کی ہر تنگی کو دور کردے گا، اور ہر غم سے خلاصی دے گا، اور اس کو روزی ایسی جگہ سے دے گا جہاں سے اس کو خیال بھی نہ ہوگا۔[ابوداؤد]

مذکورہ بالا حدیث میں موجودہ دور کی پریشانیوں کا مداوا موجود ہے، کہ اگر کوئی شخص استغفار کی پابندی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے رزق میں وسعت پیدا فرمادے گا، معلوم ہوا ہر انسان کو استغفار لازم پکڑ لینا چاہیے،استغفار زبان سے بھی ہونا چاہیے،اور اس کے ساتھ ساتھ دل کے اندر ندامت بھی ہونا چاہیے،جس کے ہونے پر کوئی کام رکنے والا نہیں ہے،جس کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس کو جنت تک پہنچا دے گا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو توبہ واستغفار کرنے کی توفیق سے نوازے، آمین۔

☆☆☆☆☆

File F:\Graphic1.tif not found.

یادِ رفتگاں

آہ! محمد غزالی ندوی مرحوم

● ....محمود حسن حسنی ندوی

محمد غزالی ہو یا محمد الغزالی، یہ نام امام ابو حامد محمد الغزالی کی طرف ذہن دوڑاتا ہے، بعض ناموں میں بڑی کشش ہوتی ہے، انہی ناموں میں ایک نام الغزالی ہے، نام اپنا اثر ڈالتے ہیں اور حوصلہ بخشتے ہیں مگر آدمی وہی انجام دیتا ہے جو اس کے نصیب میں اللہ رکھا ہے۔

محمد غزالی مرحوم کا آغاز شاندار تھا، ابھی چہرہ پر بال نہیں آئے تھے مگر عربی، اردو اور انگریزی کی اچھی لیاقت پیدا کر لی تھی اور تینوں زبان میں ثانوی درجات سے ہی انعامی مقابلوں میں نمایاں نظر آنے لگے اور اپنی خطابت کے جوہر دکھائے، ان کا خاندان علم وفضل کا خاندان ہے، ان کے نانا حاجی ابراہیم مرحوم ایک بزرگ شخصیت تھے، انہوں نے مشہور بزرگ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے نام پر اپنے بیٹوں کے ناموں میں ہر نام کے ساتھ اشرف لگایا اور سب کو دینی تعلیم میں لگایا، سب سے بڑے مولانا امین اشرف قاسمی پھر مولانا ثمین اشرف قاسمی، مولانا فطین اشرف فاضل جامعہ عربیہ ہتھورا باندہ، مولانا رزین اشرف ندوی، مولانا ڈاکٹر یمین اشرف ندوی، مولانا معین اشرف ندوی، مولانا مکین اشرف ندوی، ان چار ندوی فضلاء میں مولانا رزین اشرف اور ڈاکٹر یمین اشرف راقم سطور کے درجہ کے ساتھی تھے، ان کی نسبت سے محمد غزالی ندوی سے میرا تعلق بڑھا، یہ مدرسہ ضیاء العلوم رائے بریلی میں داخل ہوئے تھے اور ان کے ایک دوسرے ماموں معین اشرف بھی وہاں زیر تعلیم تھے، غزالی مرحوم ان سے ایک درجہ آگے تھے اور ثانویہ خامسہ میں تھے اور اپنے درجہ کے ساتھیوں میں سب سے کم سن، غالباً ۱۴۰۰ھ مطابق ۱۹۸۰ء کی ان کی پیدائش تھی، ۱۳؍سال کی عمر ہوگی، ذہانت ان کے چہرہ سے نمایاں تھی، اساتذہ سے ان کا اچھا ربط تھا اور جو بڑے علماء تشریف لاتے، ان سے بھی اپنے اساتذہ کے ساتھ ملتے، استاد کے ساتھ ان کا سعادت مندانہ رویہ تھا، ایک استاد کے ساتھ ان کا یہ رویہ دیکھ کر ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم نے اُن استاد سے پوچھا کہ کیا یہ آپ کے بیٹے ہیں؟ یہ استاد مولانا عبد السبحان ندوی بھٹکلی ہیں۔

میرا ابھی نیا نیا تقرر ہوا تھا، اپنے ماموں کے ساتھی ہونے کی وجہ سے مجھ سے سلیک علیک تھی، ان کی اٹھان کو دیکھ کر کچھ لکھنے پڑھنے کے کام سپرد کیے، سیدۃ النساء حضرت فاطمہ بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر مطالعہ اور پھر کچھ لکھ کر لانے کو کہا، کیا معلوم تھا کہ بات زبان سے نکلے گی اور عمل ہو جائے گا، اس سے انھیں اور حوصلہ ملا کہ یہ مضمون مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی نے اپنے رسالہ ''رضوان'' میں شائع کرا دیا، یہ وہ زمانہ تھا کہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندویؒ کا اپنے وطن تکیہ کلاں رائے بریلی خوب قیام رہا کرتا تھا، یہ خدمت میں حاضر ہوتے، مجلسوں میں بیٹھتے اور علمی و دینی استفادہ کرتے، قرآن مجید بہت اچھا یاد تھا اور اچھا پڑھتے تھے، حضرت مولاناؒ کو سنایا اور دعائیں لیں۔

عربی جداری پرچہ ''النور'' بھی اپنے رفیق درس مولانا رحمت اللہ ندوی استاد دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ساتھ نکالا پھر جس کی دوسروں نے پیروی کی، دو سال رائے بریلی میں رہ کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ ندوۃ العلماء کی راہ لی، اچھے نمبرات سے کامیاب ہوگئے۔ بات قرآن مجید کی نکلی مولانا سلیم اللہ ندوی استاد دار العلوم ندوۃ العلماء نے بتایا جو ان کے ماموں مولانا مکین اشرف ندوی کے خسر بھی ہیں اور ان لوگوں کے احوال سے اچھے واقف کار کہ دار العلوم ندوۃ العلماء میں حفظ و قرأت کا مقابلہ مولانا محبوب الرحمٰن ازہری علیہ الرحمہ کی سرپرستی میں ہوا کرتا تھا، اس میں غزالی نے حصہ لیا اور اول آئے، مزید یہ کہ اسی پر انھیں عمرہ کا موقع دیا گیا اور اپنے گھر سے بیت اللہ تک وہ پہونچ گئے۔

دار العلوم ندوۃ العلماء میں ایک مثالی طالب علم کی طرح وہ رہے، عالمیت وفضیلت کی، پھر خدمت علم و دین کے ان کو مواقع ملے، موریشیش (افریقہ) میں دو سال گذارے اور اچھا اثر چھوڑ کر دبئی (امارات) آگئے جہاں ان کے وہ ماموں تھے جنہیں ان کا خسر بھی ہونا تھا، وہ اپنے علم، فہم دین اور جذبہ دعوت واصلاح میں اچھی شہرت بھی رکھتے تھے، مشائخ ثلاثہ مولانا حکیم محمد اختر کراچوی، پیر ذوالفقار نقشبندی اور شاہ محمد قمر الزماں الہ آبادی کے مجاز بھی اور کئی کتابوں

کے مصنف جن میں الاحادیث القدسیہ کا سلسلہ خاص طور پر قابل ذکر ہے، یہ شخصیت مولانا ثمین اشرف قاسمی کی ہے، ان کی تربیت ان کو حاصل ہوئی اور دبئی میں حکومت کے ایک وزیر کی مسجد میں امامت وخطابت کے مواقع مل گئے، مگر علی گڈھ انھیں کھینچتا رہا جہاں ان کے والد مقیم تھے، برالوالدین کا یہ موقع انھیں افضل الاعمال نظر آیا اور وہ علی گڈھ آگئے، علی گڑھ میں دارالعلوم ندوۃ العلما کی شاخ مدرسۃ العلوم الاسلامیہ کے بانی ناظم ڈاکٹر محمد غیاث صدیقی ندوی کی نظر باصلاحیت وباصلاح نوجوانوں پر رہتی تھی، یہیں سے ان کی مدرسۃ العلوم الاسلامیہ سے وابستگی ہوگئی، یہاں پڑھانے لگے اوراس کے ساتھ طلبہ کی مالی اعانت اور علمی ودینی رہنمائی بھی کرتے، ادھر طلبہ ان سے متاثر ہوتے گئے اور ڈاکٹر صاحب کو ایسا تعلق خاطر ہوا کہ وہ ان سے مشورے کرتے، سفروں میں ساتھ رکھتے اوران کے صلاح کو دیکھتے ہوئے اپنی نماز جنازہ کے لیے دوتین لوگوں کے جو نام لیے، ان میں ایک نام محمد غزالی مرحوم کا بھی تھا۔

مدرسہ میں ایک کامیاب استاد سے ترقی کرکے وہ انتظامی امور بھی دیکھنے لگے، نائب مہتمم اور ناظم تعلیم کی حیثیت سے مدرسہ کی خدمت کی، ان کی صلاحتیں مزید اس طرح بھی سامنے آئیں کہ دعوتی، فکری اور دفاع اسلام کی کوششوں میں وہ حصہ لینے لگے، اوراسلام کے خلاف اٹھنے والی تحریکوں وسازشوں کو جدید وسائل ابلاغ سے سمجھے کے ساتھ اس کے مقابلہ کی تحریکوں اور کاموں سے اچھی واقفیت پیدا کی، وہ ایک شاب صالح ورشید تھے، اپنے رفقاء کار، انتظامیہ اور چھوٹوں سب میں محبوب ومقبول تھے، غیر مسلموں میں دعوتی کام کی انھیں بڑی فکر پیدا ہوگئی تھی اور وہ اپنے استاد مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی کی سرپرستی میں اس کے لیے کوشش کرنے لگے، معلوم ہوا کہ زندگی کی آخری شب میں جو جمعہ کی شب تھی، ۲۳/جون ۲۰۱۹ء کو اوکھلا دہلی میں دعوتی ورکشاپ میں اپنے رفقاء کے ساتھ حاضری کا عزم فون پر بات کرکے ظاہر کرچکے تھے، اورکہیں سے نہیں لگ رہا تھا کہ وہ بیمار ہیں، جمعہ کی تیاری میں انہوں نے آخری سانسیں لیں اوراپنے مالک حقیقی سے جاملے، انا لـلّٰـه وانـا الیـه راجـعـون، للّٰه ما أخذ وله ما أعطى و كل شيء عنده بأجل مسمى.

جنازہ میں بڑی تعداد نے شرکت کی، ان کے وطن بہار اور امارات وغیرہ میں مقیم اعزہ واقارب بھی پہونچ گئے تھے، ۱۰/شوال ۱۴۴۰ھ مطابق ۱۴/جون ۲۰۱۹ء کو وفات ہوئی اور اگلے روز تدفین عمل میں آئی، چالیس بہاریں ان کے حصہ میں آئیں، اللہ تعالیٰ نعم البدل عطا فرمائے اور والدین کو صبر وسکون رضا بالقضاء اور آل واولاد کی حفاظت فرمائے، آمین۔

☆☆☆☆☆

دعائے مغفرت

☆جناب ڈاکٹر سردار احمد جعفری جون پوری کا ۲۵/شعبان ۱۴۴۰ھ مطابق یکم مئی ۲۰۱۹ء کو بھیونڈی ممبئی میں ۸۰/سال کی عمر میں انتقال ہوگیا، اناللہ وانا الیہ راجعون.

مرحوم کا ندوۃ العلماء سے کئی دہائیوں سے گہرا تعلق تھا اور بھیونڈی میں ندوہ کے سفراء کا خاص خیال رکھتے تھے، اسی زمانہ میں مولانا محمود الازہار ندوی کو اپنے فرزند ڈاکٹر جمشید احمد ندوی کو ندوہ میں درس وتعلیم کی غرض سے حوالہ کیا جنھوں نے ندوہ میں عالمیت، فضلیت کے بعد مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے اعلیٰ عصری تعلیم حاصل کی، اوراب وہ ممبئی یونیورسٹی میں صدر شعبۂ عربی ہیں، ان کے علاوہ مرحوم کے تین اور صاحبزادے ہیں، بڑے صاحبزادہ کے وفات کا صدمہ بھی ان کو اٹھانا پڑا، تبلیغی جماعت سے گہرا تعلق تھا، اوراس میں خاصا وقت بھی لگاتے تھے، ہومیو پیتھک کے ایک اچھے معالج کے طور پر بھیونڈی میں اس وقت سے مقیم تھے جب ایسے معالجین بہت کم ہوتے تھے۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے، اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین۔

☆علاقہ ودربھ (مہاراشٹر) کی دینی درسگاہ معہد دارالعلوم حسینیہ امراؤتی، ملحق دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے مہتمم مولانا عبدالمصور خان ندوی کی والدہ ماجدہ کا طویل علالت کے بعد ۱۹/شوال ۱۴۴۰ھ مطابق ۲۳/جون ۲۰۱۹ء اتوار کی شام انتقال ہوگیا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مرحومہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ اوراس کے بزرگوں سے بہت عقیدت رکھتی تھیں، جس کے نتیجہ میں بیٹے کے ساتھ پوتے، نواسے سب دینی تعلیم سے جڑے ہوئے ہیں، وہ صوم وصلاۃ کی بہت پابند تھیں، پسماندگان میں مولانا عبدالمصور خان ندوی کے علاوہ دو بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔

اللہ تعالیٰ پسماندگان کو صبر جمیل دے اور مرحومہ کی مغفرت فرمائے، آمین۔ ☆☆☆

www.tameerehayat.com

File F:\Graphic1.tif not found.

رسید کتب

تعارف وتبصرہ

محمد اصطفاء الحسن کاندھلوی ندوی

☆اردو نصاب

مرتب: مولانا محمد ایوب ندوی بھٹکلی

تدریس ایک ایسا فن ہے جو مسلسل انسانی تجربہ سے گذرتا رہا ہے اور گذرتا رہے گا، اور یہ تجربے نئے نئے نصاب اور طریقہائے تعلیم وجود میں لاتے رہیں گے۔ اردو زبان کے ایک زندہ زبان ہونے کی ایک مستند دلیل یہ بھی ہے کہ اس کی تعلیم اور تحریر کی مشق کے لیے بھی وقفہ وقفہ سے مختلف نصاب سامنے آتے رہتے ہیں؛ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اگر یہ کہا جائے کہ اردو کے وطن کا دائرہ روز بروز وسعت اختیار کرتا جا رہا ہے۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ عربی زبان کی طرح اردو نے بھی اپنا 'مہجر' بنالیا ہے؛ عرب ممالک میں سعودی عرب، بحرین، قطر اور دبئ کے علاوہ امریکہ اور کناڈا وغیرہ میں بھی اردو کے ادارے اور انجمنیں قائم ہورہی ہیں، جہاں اردو نقد وادب کی نشستیں اور محفلیں منعقد ہوتی رہتی ہیں اور ان علاقوں میں اردو کے فروغ میں اہم کردار ادا کررہی ہیں۔

ملکی سطح پر اگر دیکھا جائے تو اردو اپنے وطنِ اصلی؛ دہلی، یوپی اور بہار سے نکل کر بھٹکل اور گجرات میں بھی اپنے قدم جما چکی ہے، جہاں پہلے صرف بولنے کی حد تک اردو رائج تھی؛ لیکن اب تحریر، تقریر، تصنیف اور اس سے بڑھ کر شعر و شاعری تک اپنا معیار قائم کرچکی ہے؛ بلکہ اب ایک قدم اور بڑھاتے ہوئے اردو کی تعلیم وتحریر کے نصاب بھی وہاں کے باشندوں کے قلم سے منظرِ عام پر آرہے ہیں۔

اسی سلسلہ کی ایک کڑی جناب مولانا محمد ایوب ندوی بھٹکلی کا اردو کا تیار کردہ نصاب ہے۔ مولانا کی ایک کاوش جو ہماری نظروں کے سامنے ہے 'اردو پڑھائی اور لکھائی کی مشق مکمل' کے عنوان سے ہے، چھوٹے سائز کے تقریباً سو صفحات پر مشتمل اس تالیف میں اردو حروفِ تہجی پھر ان کے مرکبات یعنی الفاظ وکلمات کو 'خفی حروف' میں درج کیا ہے؛ تاکہ نوخیز طلبہ اس کے اوپر قلم یا پینسل چلا کر اردو خوانی تحریر وکتابت کی مشق کرسکیں۔

مولانا موصوف کی دوسری کاوش بھی تحریر و کتابت ہی کے حوالے سے ہے۔ 'اردو لکھائی کی مشق' کے عنوان سے دو حصے ہیں جن کا نمبر دوم اور ششم ہے۔ ان حصوں میں تحریر کی مشق اس طور پر کرائی گئی ہے الفاظ وحروف کو پہلی لائن میں جلی حروف میں ٹائپ کیا گیا ہے اور اس کے بعد تین لائنوں میں 'خفی حروف' میں۔ حصۂ ششم میں دستی خط (Hand Writing) میں بھی ایک سطر کا اضافہ ہے۔

مولانا کی تیسری کاوش ''اردو پڑھائی اور لکھائی کی مشق''ہے، جس کے حصہ دوم اور ششم کے طور پر غالباً مذکورہ بالا دونوں حصوں کو رکھا گیا۔ اس طرح سے ''اردو لکھائی کی مشق'' اور ''اردو پڑھائی اور لکھائی کی مشق'' دونوں کے ایک تسلسل کے ساتھ کل چھ حصے ہوجاتے ہیں جو کہ نوخیز اردو آموزوں کے لیے کتابت وتحریر کی مشق کرانے کا ایک بہترین ذریعہ ہیں۔

ایک اور کاوش مولانا موصوف کی اردو زبان کی تعلیم کے حوالہ سے ''گلشنِ اردو'' کے نام سے ہے۔ اس میں پہلا حصہ ''قاعدہ'' کے نام سے ہے اور اس کے علاوہ مزید چھ حصے ہیں جو کہ بڑے سائز میں پچاس سے لے کر نوے صفحات تک پر مشتمل ہیں۔ اس طرح کل سات حصوں پر مشتمل اردو زبان کی تعلیم کے لیے یہ ایک مکمل نصاب ہے، جس میں حروفِ تہجی کی پہچان کرائی گئی ہے اور مرکبات کی ہجے کو مختلف آسان شکلوں میں سمجھایا گیا ہے، چھوٹے چھوٹے آسان جملے جو روزمرہ کی گفتگو کا حصہ ہوتے ہیں عام طور پر پیش کیے گئے ہیں، جن میں اردو محاورہ کی تعلیم بھی ملحوظ رکھی گئی ہے، نثر کے ساتھ ساتھ ہلکی پھلکی نظمیں بھی جا بہ جا بچوں کی دلچسپی کے لیے رکھی گئیں ہیں۔

اس نصاب کی نمایاں خصوصیت یہی ہے کہ اس میں تحریر، زبان اور تہذیب وثقافت سب کی تعلیم آسان اور سہل اسلوب میں فراہم کرنے کی ایک عمدہ کوشش کی گئی ہے۔

مولانا موصوف کی یہ تمام کاوشیں ''جمعیۃ السعدیۃ التعلیمیۃ والخیریۃ، بھٹکل'' یا ''جمعیۃ السنۃ التعلیمیۃ والخیریۃ'' کے اہتمام سے ''مکتبۃ الشباب العلمیۃ، لکھنؤ'' سے شائع ہوئی ہیں، جن کو لکھنؤ، بیجاپور اور بھٹکل کے کتب خانوں سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

رابطہ کے لیے:

maktabeshabab@gmail.com

☆☆☆☆☆

www.tameerehayat.com

عشق ومحبت

حج بیت اللہ-اطاعت خداوندی کا عظیم مظہر

محمد فرمان ندوی

حج کی فضیلت و اہمیت

حج اسلام کا ایک اہم رکن ہے، یہ اس پر فرض ہے، جو مکہ مکرمہ تک پہنچنے اور وہاں سے واپس آنے کے دوران اپنے اور اپنے اہل وعیال کے خرچ پر قادر ہو: "وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا، وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ" [آل عمران:۹۷] (اور لوگوں پر اللہ کے لیے اس گھر کا طواف کرنا ہے، خاص طور سے اس شخص کے لیے جو بیت اللہ پہنچنے کی طاقت رکھتا ہے، اور جو انکار کرے تو اللہ سارے جہاں والوں سے بے نیاز ہے)۔

حضرت علیؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص مکہ مکرمہ پہونچنے تک زادِراہ اور سواری کا مالک ہو، جس سے بیت اللہ تک بآسانی پہنچ کر واپس آسکتا ہو تب بھی وہ حج نہیں کرتا تو اس کو اختیار ہے کہ وہ یہودیت کی موت مرے یا نصرانی ہو کر مرے۔ [سنن ترمذی]

اسلام میں دو قسم کی عبادتیں ہیں، یا تو بدنی ہیں یا مالی، نماز بدنی عبادت ہے، روزہ بدنی عبادت ہے، زکاۃ مالی عبادت ہے، لیکن حج بدنی اور مالی دونوں عبادت ہے، اس میں بدن اور مال دونوں کا استعمال ہے، اس لیے اس عبادت کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔

حج کے مقاصد

اسلام میں عبادتوں کے الگ الگ مقاصد بیان کیے گئے ہیں، نماز کے بارے میں آیا ہے کہ: "إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ" [العنکبوت:۴۵] (بے شک نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے)۔

روزہ کا مقصد اس آیت میں بیان کیا گیا ہے: "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ". [البقرة:۱۸۳] (اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں، جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض تھے، تاکہ تم میں تقوی پیدا ہو)۔

زکاۃ کے مقصد کی طرف اشارہ کیا گیا ہے: "خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا" [التوبة:۱۰۳] (اے پیغمبر! آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ وصول کیجیے، جس کے ذریعہ آپ انہیں پاک کر دیں گے، اوران کے لیے باعث برکت بنیں گے)۔

لیکن حج کا معاملہ ایسا ہے کہ اس کے فوائد اور برکات اتنے زیادہ ہیں کہ ان کا سمجھنا بغیر وہاں پہونچے ہوئے ممکن نہیں ہے، اسی وجہ سے کہا گیا ہے: "وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَى كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ" [الحج:۲۷،۲۸] (لوگوں میں حج کا اعلان کردو کہ وہ تمہارے پاس پیدل آئیں اور دور دراز کے راستوں سے سفر کرنے والی ان اونٹنیوں پر سوار ہو کر آئیں، جو لمبے سفر سے دبلی ہوگئی ہوں، تاکہ وہ ان فوائد کو دیکھیں جو ان کے لیے رکھے گئے ہیں)۔

قرآن مجید نے نماز، روزہ، زکاۃ کے فوائد صراحۃً بیان کردیے گئے ہیں، لیکن حج کے فوائد کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ براہ راست آکر اپنی آنکھوں سے دیکھیں، صحیح بخاری میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے: "من حج فلم يرفث ولم يفسق، رجع من ذنوبه كيوم ولدته أمه" [صحیح بخاری: کتاب الحج] جو شخص اس طرح حج کرلے کہ اس نے کوئی بے حیائی کا کام نہ کیا ہو، اور نہ ہی کسی گناہ وفسق میں مبتلا ہوا ہو تو وہ اس طرح پاک صاف ہو کر لوٹتا ہے، جیسے اپنی ماں کے پیٹ سے آج ہی پیدا ہوا ہے)۔

بہترین حج کیا ہے

بہترین حج وہ ہے جس میں تلبیہ زیادہ سے زیادہ پڑھا جائے، اور قربانی کی جائے، اور مقبول حج کا بدلہ اللہ تعالی کے یہاں جنت ہے: الحج المبرور ليس له جزاء الا الجنة.

حج بیت اللہ جہاں ایک طرف عشق الٰہی کا رمز ہے، تو وہیں دوسری طرف اطاعت وفرمانبرداری کا عظیم مظہر بھی ہے، حاجی نہ اپنے ارادہ کا غلام ہوتا ہے نہ اپنی خواہش کا پابند، وہ ابھی منیٰ میں تھا، پھر حکم کے مطابق عرفات روانہ ہوا، اس نے مزدلفہ میں رات گذاری، پھر وہاں سے منی روانہ ہوا تاکہ شیطان کو رمی کرے، پھر اسے حکم ہوتا ہے کہ طواف افاضہ کے لیے خانہ کعبہ پہونچے اور پھر منی میں آکر قیام کرے، اس نقل وحرکت میں استحضار الٰہی ورعشق کی چنگاری ہی اس کے لئے مہمیز کا کام کرتی ہے۔ ایک مرتبہ شہر لکھنؤ میں منعقد ایک تربیتی کیمپ میں ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم نے سفر حج پر جانے والوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: "حج ایک عبادت ہے، جس طرح نماز عبادت ہے، روزہ عبادت ہے، زکاۃ عبادت ہے، اسی طرح حج بھی عبادت ہے، خوش نصیب ہیں وہ افراد، جو اس عبادت کو ادا کرنے جا رہے

www.tameerehayat.com

File F:\Graphic1.tif not found.

ہیں۔حج حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادگار ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت اللہ تعالیٰ کی توحید وعبادت کی صفت میں عظیم تر شخصیت تھی، ان کی اس صفت پر اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنا خلیل بنایا، یہ بڑا مقام اور اعلیٰ مرتبہ ہے، جس سے اللہ تعالیٰ نے ان کو سرفراز فرمایا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "واتَّخذَ اللّٰہُ اِبْراھیمَ خلیلًا" [نساء:۱۲۵] (اوراللہ نے ابراہیم کو اپنا دوست بنایا)۔

[افادات علم وحکمت:۴۰]

حج بیت اللہ : آداب ، طریقے اور ضروری شرطیں

۱-نیت کی درستی۔

۲-گناہوں سے توبہ۔

۳-گھر سے روانگی کے وقت دو رکعت نفل نماز۔

۴-سفر کی دعاء: سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ، وَإِنَّا إِلَى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ.

[۵]ایئرپورٹ ہی پر احرام باندھنا۔

۶-احرام پہن کر دو رکعت نماز پڑھنا (پہلی رکعت میں قل یأیہا الکافرون، دوسری میں قل ھو اللہ أحد، اور اس نماز کو سر ڈھانک کر پڑھیں۔

۷- حج کی تین قسمیں ہیں: ۱- افراد یعنی صرف حج کرنا، ۲-تمتع یعنی پہلے عمرہ کرنا پھر احرام کھول دینا اور دوبارہ مکہ میں اپنی قیام گاہ سے احرام باندھ کر حج کرنا، ۳-قران یعنی ایک ہی احرام سے عمرہ اور حج دونوں کرنا۔ان تینوں قسموں میں سے جس کی نیت احرام باندھنے کے وقت کرنی ہے، اس کو ذہن میں تازہ کرلیں۔

۸-حج کی نیت یہ ہے: اے اللہ! میں حج کا ارادہ کر رہا ہوں اس کو قبول فرمالیجیے اور آسان کردیجیے۔

۹-نیت کرنے کے بعد زور زور سے تلبیہ لبیک اللّٰھم لبیک پڑھنا۔

۱۰-حج آٹھ تاریخ سے شروع ہوتا ہے، اور اس کے لیے منیٰ جانا ہوتا ہے۔

۱۱-خواتین کے لیے احرام کا کوئی کپڑا نہیں، صرف سر چھپا کر رکھیں گے اور چہرہ کھلا رکھیں، اگر ناپاکی کی حالت میں ہیں تو احرام کی نیت کر کے تلبیہ پڑھیں اور نماز نہ پڑھیں، اور جب تک پاک نہ ہو جائیں حرم میں داخل نہ ہوں۔

حج کے فرائض: ۱- احرام، ۲- وقوف عرفہ، ۳-طواف زیارت۔

حج کے واجبات: ۱- وقوف مزدلفہ، ۲- رمی جمرات، ۳- حج کی قربانی، ۴-حلق یا قصر، ۵-صفا ومروہ کی سعی، ۶-طواف وداع۔

حج کے پانچ دن

حج کا پہلا دن (۸ / ذی الحجہ)

اس دن مکہ مکرمہ سے منیٰ کے لیے فجر کی نماز کے بعد روانہ ہوجائیں اور منیٰ میں ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور نویں ذی الحجہ کی فجر کی نماز ادا کریں۔

حج کا دوسرا دن (۹ / ذی الحجہ)

نویں تاریخ کو سورج نکلنے کے بعد عرفات کے لیے روانہ ہو جائیں، اور پورا دن وہیں عبادت، ذکر ودعا، تلاوت میں گذاریں، اور ظہر اور عصر کی نماز ایک ساتھ ادا کریں، اور خطبہ عرفات کو غور سے سنیں، اور غروب آفتاب کے بعد عرفات سے مزدلفہ کے لیے نکلیں، اور مزدلفہ پہونچ کر مغرب اور عشاء کی نماز ایک ساتھ ادا کریں، اور پوری رات یہیں گذاریں، اور یہیں کنکریاں چن لیں، تقریباً ستر (۷۰) کنکریاں لے لیں۔

حج کا تیسرا دن (۱۰ / ذی الحجہ)

مزدلفہ سے سورج طلوع ہونے کے بعد نکلیں اور سب سے پہلے منیٰ پہونچ کر بڑے شیطان (جمرہ عقبہ) کو سات کنکریوں سے رمی کریں، (کنکری مارتے وقت یہ پڑھیں: بسم اللّٰہ، اللہ أکبر، رغماً للشیطان، ورضاً للرحمن میں اللہ کے نام سے کنکری مارتا ہوں اللہ بہت بڑا ہے، میں کنکری مارتا ہوں شیطان کو ذلیل کرنے کے لیے اور رحمٰن کو راضی کرنے کے لیے) رمی کا وقت دسویں ذی الحجہ کے طلوع آفتاب سے زوال تک افضل ہے، زوال سے غروب آفتاب تک جائز ہے، اور غروب آفتاب کے بعد مکروہ ہے، متمتع اور قارن قربانی کے بعد آج سر منڈا سکتے ہیں، لیکن اگر مفرد ہے تو رمی کے بعد ہی سر منڈا سکتے ہیں۔

حج کا اہم رکن طواف زیارت ہے، دسویں تاریخ ہی کو مکہ مکرمہ آ کر خانہ کعبہ کا طواف کرنا اور سعی کرنا افضل ہے، اور اگر دسویں تاریخ کو گنجائش نہ ہو تو گیارہویں اور بارہویں تک طواف زیارت کر سکتے ہیں۔

حج کا چوتھا دن (۱۱/ ذی الحجہ)

اس دن زوال کے بعد تینوں جمرات کی رمی کرنا ہے اور سورج غروب ہونے سے پہلے رمی کرنا بہتر ہے۔

حج کا پانچواں دن (۱۲/ ذی الحجہ)

حج کا پانچواں دن ۱۲/ذی الحجہ ہے، اس دن بھی تینوں جمرات کی رمی کرنی ہے، اگر ۱۲/کو مکہ مکرمہ واپس ہونا ہے تو غروب سے پہلے رمی کر کے مکہ مکرمہ روانہ ہوجائیں، اگر غروب آفتاب ہو گیا تو تیرہویں کی رمی بھی واجب ہوجائے گی۔

اعمال حج: حکمتیں اور اسرار

انسان مادیت اور روحانیت کا مجموعہ ہے، اس کی فطرت میں ایک ایسی صفت رکھی گئی ہے کہ جس میں تلاش وجستجو کا عنصر شامل ہے، وہ جب تک اپنی آنکھوں کے سامنے کسی مادی وجود کو نہیں دیکھتا اس کو تسکین نہیں ہوتی ہے، اس جذبہ کی تسکین کے لیے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ایسی محسوس چیزیں رکھی ہیں جن کو اللہ کی نشانیاں کہتے ہیں،

www.tameerehayat.com

File F:\Graphic1.tif not found.

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ اپنی کتاب ''ارکان اربعہ'' میں لکھتے ہیں:

''ان چیزوں کا نام اس نے شعائر اللہ رکھا، ان کی تعظیم، اپنی تعظیم قرار دی اور ان میں کوتاہی اپنے حق میں کوتاہی کے مرادف بتایا، اور انسانوں کو اس کی اجازت، بلکہ دعوت دی کہ اس کے ذریعہ وہ اپنی پوشیدہ و مستور محبت اور مشاہدہ وقرب کے فطری جذبہ کو تسکین دیں اور اپنی آسودگی کا سامان کریں، ارشاد ہے: ذلك ،ومَن يُعَظِّم شَعَائِرَ اللّٰهِ، فَاِنَّهَا مِن تَقوَى القُلُوبِ (یہ بات ہو چکی، اور جو کوئی (دین) خدا کی یادگاروں کا ادب رکھے گا، سو یہ (ادب) دلوں کی پرہیزگاری میں سے ہے)۔[ص:۲۸۸،۲۸۹]

☆ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

''کبھی کبھی انسان کو اپنے رب کی طرف غایت درجہ اشتیاق ہوتا ہے، اور محبت جوش مارتی ہے، اور وہ تسکین کے لئے اپنے چاروں طرف نظر دوڑاتا ہے تو اس کو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا سامان صرف حج ہے''۔[حجۃ اللہ البالغۃ:ج۱/ص۲۶۲]

☆ بیت اللہ کے غیر آبادی میں واقع ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ اس گھر تک پہونچنے کا راستہ جب پُر مشقت ہے تو اللہ رب العزت تک پہونچنے کے لیے کتنی ریاضت کرنی پڑے گی، اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے:''وَالذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهدِيَنَّهُم سُبُلَنَا''. [العنکبوت:۶۹]

☆عام معمول کے لباس اتار کر احرام پہننا تواضع کی علامت ہے، اور عاجزی وانکساری کی دلیل ہے، احرام کا لباس کفن کی یاد دلاتا ہے، آج انسان کے مال، لباس اور زیب وزینت کے سامان کہاں ہیں؟

☆ زمزم کا پانی بے شمار فوائد کا حامل ہے، روئے زمین کا بہترین پانی ہے، وہ غذا بھی ہے، اور بیماری سے شفاء بھی ہے، اور جس مقصد کے لیے پیا جائے وہ پورا ہوتا ہے: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زمزم کا پانی اس مقصد کے لیے ہے، جس کی خاطر پیا جاتا ہے۔[مسند احمد:۱۴۸۴۹]

☆ حج اور عمرہ کا ہر عمل تعلق مع اللہ کا ذریعہ ہے اور تقرب الی اللہ کی دلیل ہے۔

☆سعی کے عمل سے اخلاص نیت کے ساتھ اپنی کوششوں میں مشغول رہنے کا درس ملتا ہے۔

☆ میلین اخضرین (دو گرین لائٹیں) کے درمیان دوڑنے میں حاجت کے وقت اللہ کی طرف رجوع کرنے کی مشق ہے۔ گویا زبان حال یہ کہتی ہے کہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے اضطراری کیفیت میں اللہ کی طرف رجوع کیا تو اللہ نے غیب سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لیے زمزم کا انتظام کر دیا۔

☆ عرفہ کا قیام زندگی کا بہت خوشگوار دن ہے، کیونکہ اس میں گناہوں کو معاف کیا جاتا ہے۔

عرفہ حرم سے باہر ہے، اور وہاں وقوف کی حکمت کیا ہے؟ منذری نے ترغیب وترہیب میں حضرت علیؓ کا یہ قول نقل کیا ہے: کعبہ اللہ کا گھر ہے اور حدود حرم اس گھر کے دروازے ہیں، اس لیے اللہ نے دروازے پر روک کر خشوع وخضوع اختیار کرنے کا طریقہ بتایا ہے۔ مزدلفہ میں گویا حرم کا دوسرا گیٹ کھلتا ہے، وہاں بھی الحاح وزاری کی تلقین ہے، جب اظہار عبدیت پورا ہو گیا تو اب منیٰ میں قربانی پیش کرنے کا حکم دیا گیا، اور یہ قبولیت کی علامت ہے۔

☆ عرفہ کا منظر محشر کی یاد دلاتا ہے، خاص طور سے مزدلفہ روانگی کے وقت، اس وقت انسان کو صرف اپنی فکر ہوتی ہے۔

☆ رمی جمرات دراصل شیطان کے ساتھ ایک معرکہ آرائی ہے، جس کی تیاری مزدلفہ ہی سے شروع ہو جاتی ہے، جہاں کنکریاں چنی جاتی ہیں، وہ ہتھیار ہیں، جس سے شیطان کو رجم کیا جاتا ہے، رمی کا معاملہ بڑا احساس ہے، اس لیے تفریحی مزاج کے ساتھ نہیں، بلکہ پورے جذبہ ایمانی کے ساتھ رمی ہونی چاہئے: إِنَّ الشَّيطَانَ لَكُم عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا إِنَّمَا يَدعُو حِزبَهُ لِيَكُونُوا مِن أَصحَابِ السَّعِيرِ [فاطر:۶] شیطان تمہارا دشمن ہے، تو تم اس کو دشمن سمجھو، وہ اپنی جماعت کو بلاتا ہے، تاکہ ان کو جہنم میں داخل کرے۔

رمی کے سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی حدیث ہے، جس کو صحیح ابن خزیمہ نے نقل کیا ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حضرت ابراھیم علیہ السلام جب حضرت اسماعیل علیہ السلام کو منی لے کر آئے تو شیطان جمرہ عقبہ اولی کے پاس نظر آیا، تو اس کو سات کنکریاں ماری، یہاں تک کہ وہ زمین میں دھنس گیا، پھر جمرہ ثانیہ کے پاس نظر آیا تو اس کو سات کنکریاں ماری، یہاں تک کہ وہ زمین میں دھنس گیا، پھر جمرہ ثالثہ کے پاس نظر آیا تو اس کو بھی سات کنکریاں ماری، یہاں تک کہ وہ زمین میں دھنس گیا، حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں: حاجیو! تمہارے جمرات کی رمی میں ملت ابراہیمی کی اتباع ہے۔[حدیث نمبر ۱۱۴۰]

☆حلق یا قصر کی حکمت یہ ہے کہ اے اللہ! یہ میرا سر آپ کے حضور حاضر ہے، تو آپ جو چاہیں فیصلہ فرمائیں، آج سر کے بالوں کا نذرانہ آپ کے حضور پیش کر رہا ہوں، کل اگر پورے وجود کو پیش کرنے کی ضرورت پیش آئی تو اس کے لیے بھی حاضر ہوں۔

☆ نماز ایک ایسی عبادت ہے جس کے ذریعہ ایک صاحب ایمان بیت اللہ سے دور رہ کر

www.tameerehayat.com

File F:\Graphic1.tif not found.

اپنے ذوق عبادت اور شوق حج کی کسی قدر تسکین کر سکتا ہے، حدیث پاک میں آیا ہے: مسند احمد میں ہے، ابوامامہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من مشى الى صلاة مكتوبة وهو متطهر كان له كأجر الحاج المحرم، ومن مشى الى سبحة الضحى كان له كأجر المعتمر، وصلاة على اثر صلاة لا لغو بينهما كتاب في عليين.[۲۲۳۰۴]

(جوفرض نماز ادا کرنے کے لیے وضو کرکے مسجد جاتا ہے تو اس کو احرام باندھ کر حج کرنے والے کا ثواب ملتا ہے، اور جو چاشت کی نماز کے لئے جاتا ہے تو اس کو عمرہ کرنے والے کا ثواب ملتا ہے، اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز پڑھنا ایسا مبارک عمل ہے کہ اعلیٰ علیین میں اس کو درج کیا جاتا ہے)۔

حج وعمرہ کے فوائد

حج وعمرہ کی عبادتیں ظاہری اور اندرونی فوائد کی حامل ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس کے منافع کے تذکرہ میں ارشاد فرمایا: ليشهدوا منافع لهم، وہاں انسان کو بے حد وحساب برکتیں حاصل ہوتی ہیں، اس کی آرزوئیں پوری ہوتی ہیں، متعدد ایسے حضرات ہیں جنہوں نے تذکرہ کیا کہ میں نے حرم میں جو دعائیں کی وہ وطن لوٹتے ہی قبول ہوئیں، بزرگوں سے منقول ہے کہ کسی کام کی قبولیت میں اس عمل کے بعد دوسری بار اسی عمل کے کرنے کی توفیق ہے، اور حدیث پاک میں آیا ہے، جامع ترمذی میں ہے، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تابعوا بين الحج والعمرة، فانهما ينفيان الفقر كما ينفي الكير خبث الحديد والذهب والفضة، وليس للحجة المبرورة ثواب الا الجنة (۸۱۰) (بار بار حج اور عمرہ کیا کرو، کیونکہ یہ دونوں فقر وفاقہ کو ایسے ہی دور کرتے ہیں، جیسے آگ میں تپانے سے لوہے، سونے اور چاندی کا میل دور ہوجاتا ہے، اور حج مقبول کا بدلہ جنت ہے)۔

زیارت مدینہ منورہ

مدینہ کا سفر ہے تو راستہ بھر درود شریف کی پڑھیں، مسجد میں داخل ہوتے ہی دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھیں، اگر ریاض الجنۃ میں موقع ملا جائے تو بہت اچھا، ورنہ کہیں بھی پڑھ لیں، اس کے بعد مواجہہ شریفہ کی طرف آئیں اور ہلکی آواز میں:

الصلاةُ والسلامُ عليك يا رسولَ الله

(اے اللہ کے رسول آپ پر درود وسلام)۔

الصلاة و السلام عليك يا حبيب الله

(اے اللہ کے محبوب آپ پر درود وسلام)۔

الصلاة و السلام عليك يا خيرَ خلق الله (اے بہترین مخلوق اپ پر درود وسلام)۔

السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته (اے اللہ کے نبی آپ پر درود وسلام اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں)۔

اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کی قبر ہے، ان کو سلام عرض کرنے کے لیے یہ الفاظ دہرائیں:

السلام عليك يا خليفةَ رسول الله.

السلام عليك يا وزيرَ رسول الله.

السلام عليك يا صاحبَ رسول الله في الغار و رحمة الله وبركاته.

اور آگے بڑھ کر حضرت عمر فاروقؓ کی قبر ہے، ان کو سلام اس طرح عرض کریں:

السلام عليك يا أميرَ المؤمنين.

السلام عليك يا عزَّ الاسلام والمسلمين و رحمة الله وبركاته.

مدینہ کے زمانہ قیام میں جنۃ البقیع مدینہ کے مشہور قبرستان جائیں، اور دعا کریں، قباء جائیں، اور دو رکعت نماز پڑھیں، شہداء احد کے قبرستان جائیں اور دعا پڑھیں اور دوسرے تاریخی مقامات جائیں اور ان کی زیارت کرکے دل کو سکون پہنچائیں۔

زیارت مدینہ کی حکمتیں

السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته۔ جس وقت ایک صاحب ایمان روضہ پر یہ سلام پیش کرتا ہے تو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے قرب کا اظہار کرتا ہے، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق ایسا مضبوط تعلق ہے، جس میں امت محمدیہ دوسری قوموں سے ممتاز ہے، دوسرے انبیاء کی قبروں کا صحیح علم نہیں، یہود اس سے محروم ہیں، ان کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر کا صحیح علم نہیں، نصاریٰ بھی اس سے محروم ہیں، کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معاملہ ان پر مشتبہ ہوگیا، اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان پر یہ فضل فرمایا کہ ان کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مدینہ پاک میں ہے، اور وہ وہاں سلام پیش کرتے ہیں، اور آپؐ اس کا جواب بھی دیتے ہیں، حضرت ابوھریرہؓ فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص بھی مجھے سلام کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ میرے اندر روح منتقل فرماتے ہیں تاکہ میں اس کے سلام کا جواب دوں ما من أحد يُسلم علي، الا رد الله عز وجل إلى روحي، حتى أرد عليه السلام.[مسند احمد ۱۰۸۱۵)، سنن ابی داود:۲۰۴۱]۔

بلاشبہ یہ عبادت عشق الٰہی اور اطاعت و فرمانبرداری کی علامت ہے، اگر ایک حاجی اخلاص نیت کے ساتھ بغیر فسق وفجور اور بحث ومباحثہ کے اس عبادت کو ادا کرتا ہے تو وہ نئی زندگی لے کر واپس آتا ہے، یہی زندگی اس کے لیے سب سے بڑا انعام ہے۔

☆☆☆☆☆

www.tameerehayat.com

اسلامی رجحان کا بڑھتا دائرہ

محمد جاوید اختر ندوی

اس وقت پوری دنیا میں مسلمانوں کے خلاف غیروں کے دلوں میں جونفرت ودوری کی تخم ریزی کی جارہی ہے،اور جس کے مظاہر وقفہ وقفہ سے ہم کھلی آنکھوں مشاہدہ کرتے رہتے ہیں،ان کے منجملہ دیگر اسباب میں ایک اہم ترین سبب مسلمانوں کا دینی شعائر،فرائض اور تعلیمات وہدایات پر عمل نہ کرنا یا کم کرنا ہے،چونکہ دین اسلام ایک دین فطرت ہے،اور یہی قیامت تک آنے والی نسلوں کے لیے نجات بخش دین ہے،اس لیے وہ کچھ دیر سے ہی سہی،جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے وقت معین ہوتا ہے،مگر اپنا اثر چھوڑتا ضرور ہے،آج دنیا کے جن غیر مسلم ممالک میں مقیم مسلمانوں نے اپنی دنیاوی مشغولیات کے ساتھ دین پر عمل اور اس کی طرف خاموش دعوت کو اپنی ذمہ داریوں میں شامل کر رکھا ہے ،وہاں اس کے خوشگوار نتائج سامنے آرہے ہیں،اور خدائے واحد کی عبادت کے لیے مسجدیں قائم ہورہی ہیں۔

ری پبلک آف کاریلیا Kareliaروس کے شمال مغرب میں فن لینڈ سے جڑی ہوئی ایک چھوٹی سی نیم خودمختار ریاست ہے جس کے مرکزی شہر Petrozavodsk پیٹروزاوڈک کہا جاتا ہے، گزشتہ دنوں اس شہر کے نواح میں ایک عظیم الشان مسجد کی تعمیر کا سلسلہ شروع کیا گیا،یہ وہ علاقہ ہے کہ جہاں ربع صدی قبل تک مسلمانوں کا کوئی وجود نہیں تھا پھر رفتہ رفتہ پڑوسی ریاستوں آذربائیجان،تاتارستان وغیرہ سے کام کی غرض سے مسلمان اس ریاست میں آنے لگے، نیز عرب ممالک سے بھی تعلیم اور سیاحت کی غرض سے مسلمانوں کی آمد شروع ہوگئی،چنانچہ اس وقت پوری ریاست میں جو کہ رقبہ کے اعتبار سے ملک شام کے مساوی ہے،تقریباً ۲۰؍ہزار مسلمان آباد ہیں جن میں ایک قلیل تعداد فن لینڈ کے نومسلموں کی بھی ہے جن کی تعداد میں دن بدن الحمدللہ اضافہ ہورہا ہے۔

۲۰۰۱ء میں باقاعدہ مسلمانوں کی ایک تنظیم کا آغاز کیا گیا اور الحمدللہ اس وقت ساری ریاست میں مسلمانوں کی چار تنظیمیں دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دے رہی ہیں، ان تنظیموں کے دفاتر میں نماز باجماعت کی غرض سے مصلیٰ کے طور پر کچھ کمرے مخصوص کیے گئے ہیں مگر ابھی تک مسلمانوں کی کوئی باقاعدہ مسجد کا قیام عمل میں نہیں آیا تھا اور اب الحمدللہ روسی حکومت کے تعاون سے شہر کے وسط میں زمین خریدی جاچکی ہے،جس پر ایک وسیع وعریض مسجد کی تعمیر کا عمل جلد ہی شروع کردیا جائے گا۔

اس کا اثر یہ ہے کہ جب غیروں نے مسلمانوں کے اعمال وکردار،اور اخلاق ومعاملات کے ذریعہ براہِ راست دین کو سمجھا تو ان کے دلوں میں بٹھائی گئی نفرتیں مٹنے لگیں اور مسلمانوں سے منصوبہ بند طور پر پیدا کی گئی وحشت ودوری میں بڑی کمی آگئی۔

ایک خبر کے مطابق بلجیم کے شہر گانت کی کونسل نے سیکنڈری اسکولز میں زیر تعلیم مسلمان طالبات پر حجاب کے حوالے سے عائد کی جانے والی پابندی کالعدم قرار دے دیا،واضح رہے کہ گزشتہ ماہ جب مقامی کونسل نے سیکنڈری اسکولز کی طالبات پر حجاب لینے کی پابندی عائد کردی تو کچھ مسلمان والدین نے اس پابندی کے خلاف کورٹ میں رٹ دائر کردی، کورٹ نے اپنے فیصلے میں اس پابندی کو مذہبی اور شخصی آزادی کے مغایر بتلاتے ہوئے فوری طور پر اس کو منسوخ کرنے کے احکام جاری کردیے،کورٹ نے مزید اپنے فیصلہ میں کہا کہ ملک کے ہر شہری کو اپنے دین اور مذہب پر آزادی کے ساتھ عمل کرنے کی اجازت ہے اور اس قسم کی پابندیاں ملک کے معاشرے میں مذہبی تنافر کو ہوا دے سکتی ہیں۔

مغربی ممالک ،جہاں اسلام اور اسلامی تعلیمات کا نام لینا دشوار تھا،اب الحمدللہ وہاں کے اسکولوں میں اسلامی مضامین کی تدریس کا نظم کیا جارہا ہے،اور بچے دیگر مضامین کے ساتھ دینی تعلیم کا بھی درس لے رہے ہیں،اور اپنے مذہب واس کی تعلیمات سے بخوبی بہرہ ور ہورہے ہیں۔

جرمنی کے صوبے شمالی راین کی کونسل نے پرائمری اور سیکنڈری اسکولز میں دیگر تدریسی مواد کے ساتھ اسلامی تعلیمات پر مبنی مواد کو بھی نصاب میں شامل کرنے کا فیصلہ کیا ہے جس کی تدریس آئندہ سال سے شروع کردی جائے گی، تدریسی زبان جرمن ہوگی جس کے لیے ایسے مسلمان اساتذہ کا تقرر کیا جارہا ہے جو بیک وقت اسلام علوم کے ساتھ جرمن کی ثقافت، زبان اور تاریخ پر عبور رکھتے ہوں تاکہ بچوں کو نہ صرف مقامی زبان میں اسلام سے متعارف کروایا جائے بلکہ ساتھ ہی مقامی تہذیب وثقافت کے تقاضوں کو ملحوظ رکھا جائے اور اس تعلیم کا سب سے اہم مقصد بچوں کو دین کے نام پر تشدد اور انتہاء پسندی سے محفوظ رکھنا ہے۔

واضح رہے کہ صوبے راین میں مسلمانوں کی سب سے بڑی تعداد سکونت پذیر ہے جو تقریباً ڈیڑھ ملین کے لگ بھگ ہے۔

☆☆☆☆☆

www.tameerehayat.com

File F:\Graphic1.tif not found.

فقہ وفتاویٰ

سوال وجواب

مفتی محمد ظفر عالم ندوی

سوال: ایک حاجی صاحب اپنے گناہ معاف کرانے اور حرمین کی برکات حاصل کرنے کی غرض سے دوبارہ حج کے لیے جانا چاہتے ہیں جبکہ ان کے بچے موجود ہیں اوران کی جائز ضرورت بات بھی ہیں جن کو پورا کرنا ان پرضروری ہے،ایسی صورت میں یہ صاحب حج پر جائیں یا اپنے بچوں کی ضروریات پوری کریں؟

جواب: مذکور حاجی صاحب کے پاس اگر اتنا انتظام ہے کہ دورانِ سفر ان کے اہل وعیال بسہولت کھانے پینے اور رہنے کی ضروریات پوری کرسکیں تو ان کے لیے حج میں جانے کی اجازت ہوگی، لیکن صورتحال ایسی نہیں ہے بلکہ انکے سفر حج پر جانے کی وجہ سے بچوں کی کفالت اور ضروریات کا پورا کرنا دشوار ہوگا اور پریشانی ہوگی تو ان کے لیے حج پر جانے کی اجازت نہیں ہوگی بلکہ اپنے بچوں کا نظم لازم ہے۔

[غنیۃ الناسک/ص۱۹]

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کا مہر ادا نہیں کیا ہے لیکن وہ حج کا ارادہ رکھتے ہیں اور حال یہ ہے کہ اگر مہر ادا کریں تو حج نہیں کرسکیں گے اور اگر حج ادا کریں تو مہر ادا نہیں ہو پائے گا، ایسی صورت میں کون سا عمل کرے؟

جواب: ایسے شخص کو چاہیے کہ پہلے وہ دین مہر ادا کرے، پھر وسعت ہو تو حج کرے ورنہ آئندہ اس کی تیاری کرے لیکن اگر بیوی سے کچھ مدت کے لیے مہر ادا کرنے کی مہلت لے لے تو اس کی گنجائش ہے اور حج ادا کرنے کے بعد مہر ادا کرنے کی کوشش کرے۔

[غنیۃ الناسک/ص۲۰]

سوال: اگر کسی پر حج فرض نہ ہو اور رمضان میں عمرہ کے لیے جائے اور شوال کے مہینہ میں مکہ مکرمہ ہی میں رہ کر ایک دو عمرہ مزید کرلے پھر وطن واپس آجائے تو ایسے شخص پر حج فرض ہوجاتا ہے، بعض لوگ کہہ رہے ہیں کہ شوال میں عمرہ کرنے کی وجہ سے حج فرض ہوجاتا ہے، اس بارے میں حکم شرعی کیا ہے؟

جواب: جس شخص پر حج فرض نہ ہو اور رمضان میں عمرہ کے لیے وہ مکہ مکرمہ پہونچ گیا ہو، بعد عیدالفطر مکہ مکرمہ میں ہی اور عمرہ کرلیا ہو تو اس پر اس وقت حج فرض ہوتا ہے جبکہ اس کے پاس ایام حج تک قیام کی اجازت اور مصارف واسباب موجود ہوں ورنہ حج فرض نہیں ہوگا۔

[زبدۃ المناسک/ص۲۱]

سوال: حج فرض ہونے کا وقت کب ہوتا ہے؟ حج فارم بھرتے وقت یا شوال میں یا ایام حج کے وقت، ہندوستان سے جانے والوں پر کیا فارم بھرتے وقت ہی واجب ہوجاتا ہے یا شوال میں، بعض لوگ رمضان میں استطاعت حج کے لائق ہوجاتے ہیں لیکن اس سال فارم نہ بھرنے کی وجہ سے حج پر نہیں جا پاتے ہیں اور آئندہ رمضان سے قبل انتقال کرجاتے ہیں، کیا ایسے لوگ تارک حج میں شمار ہوں گے اور گناہ گار ہوں گے؟

جواب: حج کے مہینوں یعنی شوال، ذیقعدہ اور ذی الحجہ کے دس دن میں جس شخص کے پاس حج میں جانے کی استطاعت ہو، ان پر حج فرض ہوتا ہے، اس سے قبل نہیں، اگر کسی نے کوشش کی لیکن وہ حج پر نہیں جاسکے تو وہ گنہگار نہیں ہوں گے، البتہ ان پر حج کی وصیت ضروری ہے تاکہ ان کی وفات کے بعد مال متروکہ میں حج کرایا جاسکے۔

[سنن ابن ماجہ: ج۲/ص۲۰۷]

سوال: ایک شخص کے اوپر قرض ہے اور وہ حج کرنا چاہتا ہے، سوال یہ ہے کہ وہ پہلے حج کرلے یا قرض ادا کرلے، قرض ادا کرنے کا ارادہ ہے لیکن ادا نہ کرکے وہ حج پر چلا جائے، تو کیا ان کا حج ادا ہوجائے گا؟

جواب: بہتر تو یہی ہے کہ پہلے قرض ادا کرلے، اس کے بعد حج ادا کرے لیکن اگر کوئی قرض ادا کیے بغیر سفر حج پر روانہ ہوجائے اور حج ادا کرے تو حج ادا ہوجائے گا اور وہ فرضیت حج سے سبدوش ہوجائیں گے، لیکن یاد رہے کہ ایسا کرنا کراہت سے خالی نہیں۔ فتاوی قاضی خاں میں یہ صراحت موجود ہے کہ جس کے پاس اتنا مال ہو کہ وہ قرض ادا کرسکے تو پہلے قرض ادا کرے، حج نہ کرے، اگر حج پر چلا جائے اور اس پر قرض باقی رہے تو یہ مکروہ ہے۔

[فتاویٰ قاضی خاں: ج۱/ص۳۱۳]

سوال: ایک شخص کے پاس اتنا مال نہیں ہے کہ وہ حج کرسکے لیکن بے انتہا شوق ہے، اس کے لیے وہ قرض لینے کے لیے تیار ہے تاکہ حج کی سعادت حاصل کرے، سوال یہ ہے کہ حج فرض نہ ہو، اسکے باوجود قرض لے کر حج پر جانے سے حج ادا ہوجائے گا؟

جواب: جب حج کی استطاعت نہ ہو تو قرض لے کر حج پر جانا عقلمندی نہیں ہے، قرض سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے اور استطاعت کی دعاء کرتے رہنا چاہیے تاہم اگر کوئی قرض لے کر حج کرلے تو حج ادا ہوجائے گا۔ [غنیۃ الناسک/ص۳۳]

☆☆☆☆☆

www.tameerehayat.com

File F:\Graphic1.tif not found.

۱۰؍جولائی ۲۰۱۹ء

NADWATUL-ULAMA

PO. BOX 93, TAGORE MARG, LUCKNOW

226007 U. P. (INDIA)

ندوة العلمــــاء

پوسٹ باکس ۹۳، ٹیگور مارگ، لکھنؤ

۲۲۶۰۰۷ یوپی (ہند)

Phone : (91-522) 2741231, 2741316, 2740151, Fax : 2741221

E-mail address : nadwa@sancharnet.in/ website : www.nadwatululam.org.

www.tameerehayat.com

Postal Regd. No:S.S.P/LW/NP/63/2018-2020
R.N.I. No : UP.URD./2001/6017
Published on 8th and 23rd of every month
Date of Posting: 10,12 / 25,27
Posted at R.M.S. Charbagh, Lucknow-04

Fortnightly
TAMEER–E–HAYAT
Tagore Marg, Badshah Bagh, Lucknow-07

Ph. Off. : 0522-2740406
Office Time :07:30 am To 01:30 pm
Website : www.tameerehayat.com
Email : tameer1963@gmail.com
info@tameerehayat.com

Vol. No. 56 Issue No.17

10 July 2019

R.K. Clinic
Research
CENTRE

R. K. CLINIC
& RESEARCH CENTRE
Dr. Mohammad Fahad Khan
M.D.

विशेषज्ञ पेट एवं उदर रोग, श्वास एवं चेस्ट रोग, एण्ड्रोक्रायोनोलोजी एवं मधुमेह रोग

24 HOURS EMERGENCY SERVICES AVAILABLE

G-1, Aman Apartments, Chaupatiyan, Opp. Power House, Lucknow
Ph.: 0522-2651950, 9415006983

We accept debit and credit cards from all card associations
VISA Maestro MasterCard NET BANKING
PAY ONLINE
www.tameerehayat.com

Editor *Shamsul Haq Nadwi*,
Printed & Published by *Athar Husain*
On behalf Majlis-e-Sahafat-wa-Nashriyat at
Azad Printing Press Mahboob Building
Nazirabad, Lko. Ph: 9415100085

DSGN. BY: **SAAD HAMDAM** (MALEGAON, M.S.) @9860448783